

# گناہوں سے اجتناب

عن القاسم بن محمد قال: سأل رجل ابن عباس قال: رأيت رجلاً كثير الذنوب، كثير العمل، أو رجل قليل الذنوب، قليل العمل؟ قال: ما أعدل بالسلامة شيئاً. (كتاب الزهد لو كيع: ٢٧٢)

”قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: ایک آدمی زیادہ گناہوں والا زیادہ عمل کرنے والا ہے، یا ایک آدمی تھوڑے گناہوں والا تھوڑے عمل والا ہے، ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ابن عباس نے جواب دیا: میں گناہوں سے سلامتی کے برابر کسی بھی چیز کو نہیں سمجھتا (یعنی گناہوں سے اجتناب سب سے بڑی خوبی ہے، اس کے برابر کوئی چیز نہیں، نفل عمل اگرچہ کم ہوں۔)“

## کیا ووٹوں کے ذریعے اسلام لایا جاسکتا ہے؟

آج کے دور میں بعض اسلامی ذہن رکھنے والے حضرات اور نیک نیتی سے اسلامی انقلاب کے داعی لیڈر جب دیکھتے ہیں کہ اقتدار پر قبضہ کیے بغیر اسلامی نظام کی ترویج ناممکن ہے تو اس کا حل انھوں نے یہ تلاش کیا ہے کہ نیک شہرت رکھنے والے امیدوار انتخاب کے لیے نامزد کیے جائیں اور عوام میں اسلامی تعلیمات کا پرچار لیے نیک نمائندوں کی ہر ممکن امداد پر لوگوں کو ابھارا جائے تاکہ اسمبلی میں نیک لوگوں کی کثرت ہو جائے۔ موجودہ جمہوری دور میں معاشرہ کی اصلاح اور اسلامی نظام کی ترویج کی یہی واحد صورت ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس سلسلہ میں ان کی تائید نہیں کر سکتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ووٹوں کے ذریعہ نہ آج تک کبھی اسلام آیا ہے اور نہ آئندہ آسکتا ہے۔ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو انبیاء اس پُر امن ذریعہ انتقالِ اقتدار کو ضرور استعمال کرتے۔ بنی نوع انسان کے لیے قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی سنت سے بہتر دستور ناممکن ہے اور قرآن کریم کی تبلیغ کے لیے جو ان تھک اور جان توڑ کوششیں حضور اکرم ﷺ نے فرمائیں دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ کو جاں نثار اور مخلص پیروکاروں کی ایک جماعت بھی مہیا ہوگئی جو اسلام کے عملی نفاذ کے لیے صرف تبلیغ و اشاعت اور پروپیگنڈا پر ہی انحصار نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی پوری پوری زندگیاں اسی قالب میں ڈھال لی تھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت گویا قرآنی تعلیمات کے چلتے پھرتے نمونے تھے لیکن تیرہ سال کی ان تھک کوششوں کے باوجود یہ تو نہ ہو سکا کہ حضور اکرم ﷺ مکہ میں اسلامی ریاست قائم کر لیتے۔

جب ایک بہترین دستور بھی موجود ہو اور اس کو عملاً نافذ کرنے والی جماعت بھی مثالی کردار کی مالک ہو۔ وہ تو اس دستور کو کثرت رائے کے ذریعے نافذ نہ کر سکی تو آج کے دور میں یہ کیونکر ممکن ہے؟

اسلامی نظام کی ترویج کے لیے اقتدار کی ضرورت سے انکار نہیں۔ لیکن رائے عامہ کو صرف تبلیغ کے ذریعے ہموار کرنا اور اس طرح اسلامی انقلاب برپا کرنا خیالِ خام ہے۔ اس کے لیے ہجرت، جہاد اور دوسرے ذریعے ہی اختیار کرنے پڑیں گے جیسا کہ انبیاء اور مجاہدین اسلام کا دستور رہا ہے۔

(مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ)

## الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

13 رجب المرجب 1434 ھ جمعہ المبارک 24 تا 30 مئی 2013ء

شماره 21 جلد 65

## مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلغوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم

## مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

## مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی

0333-4786507

## کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد

0344-4656461

## جواہر پارے

گناہوں سے اجتناب

## کلمہ طیبہ

کیا دوٹوں کے ذریعے اسلام لایا جاسکتا ہے؟

## اداریہ

(مولانا عبدالرحمن کیلانی)

## درس قرآن

تفسیر سورة الصفّت..... (۵)

## درس حدیث

”کتاب الایمان“..... (۹)

## افتاء

مخصوص ایام میں تلاوت قرآن

## اصلاح عقیدہ

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟..... (۲) آخری

## اسلامی معاشرہ

عدل اجتماع کا تصور و اہمیت

## یاد رفتگار

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی رحمہ اللہ

## دعوت فکر

عقیدہ توحید و رسالت

## شعر و ادب

اعتراف عجز

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور  
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پرائیج لاہور  
 فون نمبر : 042-3735 4406  
 فیکس نمبر : 042-37229802  
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے  
 سالانہ : 500/- روپے  
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال  
 60/- ڈالر امریکی

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

## کائناتوں کی سیج

عوام نے جناب میاں محمد نواز شریف کے وعدوں پر اعتبار کر کے یا ان سے غیر معمولی توقعات وابستہ کرتے ہوئے الیکشن میں ان کو کامیاب کروادیا۔ اس کامیابی نے میاں صاحب کو کائناتوں کی سیج پر لاکھڑا کیا ہے اور ان کے گلے میں استروں (Razors) کی مالا ڈال دی ہے جو کہ میاں صاحبان اور نون لیگ، کہ نون لیگ میاں صاحبان ہی کے گرد گھومتی ہے، پر یہ کڑی آزمائش ہے۔ دوسرے جمہوری ممالک کا تو پتا نہیں ہمارے ہاں کی ریت یہی رہی ہے کہ آنے والے حکمران جانے والے حکمرانوں کے مفادات کے جھرنوں سے فائدہ تو خوب اٹھایا جاتا ہے لیکن اہم مسائل کو سابقہ حکومت کی باقیات سینات کہہ کر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ میاں صاحب سے خوش فہم طبقہ یہ توقع رکھتا ہے کہ میاں صاحب ناجائز بلکہ جائز مفادات کے بھی جھرنے بند کر کے وطن عزیز کو درپیش اہم مسائل (توانائی کا بحران، لوڈ شیڈنگ، بے روزگاری، امن وامان کی ابتری) کی طرف ترجیحی بنیادوں پر توجہ کریں گے۔

وطن عزیز کے مالیاتی بحرانوں میں غیر ضروری حکومتی اخراجات ایک اہم معاملہ ہوتا ہے۔ میاں صاحب نے حکومتی اخراجات میں تیس فیصدی کمی کا اعلان کر کے ایک اچھی ابتدا کر دی ہے۔

توانائی کے بحران کے سلسلے میں گزرے ہوئے ایک دور حکومت میں سرکاری محکموں میں صبح گیارہ بجے سے قبل اے۔ سی چلانے اور دو بجے کے بعد چالو رکھنے پر پابندی لگائی گئی تھی، ہم یہ سمجھتے ہیں یہ اقدام توانائی کا بحران کم کرنے میں کافی مددگار ثابت ہو سکتا ہے جس پر مثبت مشاورت کر کے اس کو نافذ کر دینا چاہیے۔ اس طرح گرمیاں آتے ہی بجلی کی سپلائی والے ادارے اپنے دانت تیز کر لیتے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ وقت پر بجلی آئے نہ آئے لیکن طے شدہ وقت پر بجلی چلی ضرور جاتی ہے۔ اسی طرح بجلی آئے نہ آئے لیکن بل ضرور آ جاتا ہے۔ اس کی تازہ مثال فیول ایڈجسٹمنٹ کی وہ چھوٹ ہے جو ہائی کورٹ کے ایک حکم کے ساتھ صارفین سے معطل کر رکھی تھی، اور اب وہ چھوٹ صارفین سے ایک ہی ماہ میں وصول کرنے کا اعلان کرنا آپ کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی ایسی سازش ہے جس کو یار لوگ بغاوت تک لے جانے میں دریغ نہیں کریں گے۔ اس لیے بے وسیلہ اور کم وسیلہ صارفین کو اس سے نجات دلا کر فاقہ کشوں کی مخلصانہ دعاؤں سے اپنے دور حکومت کا آغاز کریں۔

اسی طرح سردیوں کا موسم آنے پہ سوئی گیس کا محکمہ صارفین کو سامان پر چڑھا دیتا ہے۔ اس کو حکومتی عمل تو کہا جاسکتا ہوگا لیکن اس کو مستحق سیاسی حکمت عملی کہنا مشکل ہے۔

میاں صاحب اور ان کے تھنک ٹینک ہم سے کہیں زیادہ بہتر جانتے..... ہوں گے نہیں..... جانتے ہیں کہ جرائم کی ابتدا، پھر اس کی نمو اور اس کے بعد افزائش فراغت اور بے کاری کے سبب ہوتی ہے۔ میاں صاحب نوجوان نسل کو مصروف کرنے کے لیے اپنے مشیران باتدبیر کے علم و فضل اور تجربے کو کام میں لا کر خوددار، خود مختار اور خوش حال پاکستان کی ایسی مضبوط بنیاد رکھیں جو پہلے درجے میں سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو، اور دوسرے درجے میں اس رفیق و محبت کے زمزموں کا سیلان پس ماندہ علاقوں اور ضروریات زندگی سے محروم ان طبقوں کی طرف زیادہ کریں کہ یہ لوگ عموماً تھوڑے پر راضی ہو جاتے ہیں اور پوش طبقات کی خواہشات تو ضرورتوں کے نام پر لاپرواہی ہوتی ہیں۔ اسی طرح سرکاری محصولات میں تخفیف کی ایسی صورت کریں یعنی بجلی کے بلوں اور تیل کی قیمتوں پر جو بعض وقتی ٹیکس..... سیلاب ٹیکس وغیرہ..... لگائے جاتے ہیں، ٹیکس کی علت اور وجہ ختم ہو جائے تو اس کو ختم کر دیں ورنہ محکموں کا معمول عموماً یہ ہوتا ہے کہ جب کسی مد میں چار پیسے فاجائیں تو اس کا صارفین سے بوجھ کم

کرنے کی بجائے مزید بھرتی سے نوازشات کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔

تیل کی قیمتوں کے بارے میں اخبارات حکومت کے ڈھیروں نفع کا تذکرہ ہی نہیں کرتے بلکہ دستاویزی طور پر ثابت بھی کرتے ہیں تو میاں صاحب اس کی تحقیق و تفتیش کریں اگر آنے والی حکومت تیل کی قیمتیں مناسب سطح پر لے آئے تو ہر چیز کی قیمت مناسب سطح پر آ جائے گی کہ نفع کمانے والے اسی کی آڑ لے کر مہنگائی کا طوفان برپا کرتے ہیں۔

اسی طرح میاں صاحب ماہرین سے مشورہ کر کے بڑے شہروں کے گرد آباد کاری کی نئی سکیموں پر پابندی لگا دیں تاکہ شہر والوں کو پہنچنے والی سبزی ترکاری پر لوڈنگ ان لوڈنگ کے اخراجات جتنے کم ہوں گے اسی قدر سبزی ترکاری تازہ اور ارزاں میسر ہوگی۔ رینٹل پاور سکیموں، بیرون ملک تعلیمی اور بزنس ویزوں اور بڑی بڑی رہائشی سکیموں کی طرف تو آپ توجہ کریں گے ہی بس ان مقدمات کے فیصلوں میں سرکاری اہل کاروں، یعنی (Establishment) کی طرف سے رتی بھر تاخیر بھی نہ ہونے دیں کہ عوام بھول جائیں اور سب کچھ غتر بود ہو جائے۔ اور انصاف کا دامن بھی کسی سطح پر ہاتھ سے نہ چھوٹے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق ”کفر کی حکومت تو چل سکتی ہے ظلم کی نہیں۔“

اخبارات میں اگلے دن ایک ہولناک خبر یہ دیکھی کہ..... ایلو پنچک..... دوائیاں اسی فیصد مہنگی ہونے والی ہیں۔ دوائی ہر انسان کی بنیادی ضرورت اور ہر شہری کی صحت کا خیال رکھنا حکومت وقت کا فرض ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چودھری پرویز الہی نے اپنے دور اقتدار میں عوام کی صحت کے لیے سہولتوں کے اہتمام کی ابتدا کی تھی جس میں فوری طبی امداد (Rescue, First Aid) کا وسیع نیٹ ورک ان کا بہت بڑا فلاحی کارنامہ ہے۔ ویسے تو سرکاری ہسپتال مریضوں کو ادویات بلا قیمت مہیا کرنے کے پابند ہوتے ہیں لیکن دوسرے محکموں کے ساتھ محکمہ صحت کا حال بھی ایسا ہی تھا کہ کسی مریض کو ہنگامی طور پر ادویات بھی شاید ہی ملتی ہوں۔ بعد میں حکومت پنجاب نے بعض ہسپتالوں میں لاؤڈ سپیکر پر یہ اعلان مسلسل کرنا شروع کر دیا کہ ہر ہنگامی مریض کو ہسپتال میں ادویات بلا قیمت میسر ہوں گی اور بہت حد تک اس پر عمل بھی ہوتا رہا بلکہ اب تک ہو رہا ہے لیکن نامشرف دور حکومت میں دیگر آئی ٹی اور فوڈ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ساتھ ادویات کی بعض ملٹی نیشنل کمپنیاں جب پاکستان میں درآئیں تو انھوں نے..... نام نہاد..... اعلیٰ معیار کے نام پر ادویات کی قیمتوں میں ایک تلاطم برپا کر دیا کہ خلق خدا چیخ اٹھی تھی۔ فارمیسیٹ تو اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں بلکہ بعض درد مند دل رکھنے والے ڈاکٹر حضرات بھی اس سے یہ خوبی آگاہ ہیں کہ ایک ہی نسخہ..... مفردات..... کی دوائی ایک کمپنی کی بہت سستی اور اس طرح پاکستان کی ایک کمپنی کی دوا مہنگی اور ملٹی نیشنل کمپنی کی دوا بہت ہی مہنگی ہوتی ہے۔ دواسازوں کی نفع اندوزی کے علاوہ ان دواساز کمپنیوں کی..... اپنے نمائندوں (Medical rap) کے ذریعے..... اپنی دوائیوں کی مارکیٹنگ کرتے وقت ڈاکٹر حضرات کو جو تحائف دیے جاتے یا ان پر نوازشات کی جاتی ہیں وہ غیر معمولی بلکہ خیرہ کن ہوتی ہیں اور یہ داد و دہش صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ ڈاکٹر مریض کو دوائی اس..... تحائف بھیجنے والی..... کمپنی کی لکھ کر دے۔ کیا دواساز کمپنیاں یہ سب کچھ اپنے نفع میں سے ڈاکٹر کی خدمت کرتی ہیں؟ نہیں بلکہ یہ سب کچھ دواساز حضرات لاچار اور نادار مریضوں سے ہی جبراً وصول کرتے ہیں۔ میاں صاحبان کا خاندان چونکہ بتوفیقہ تعالیٰ اتفاق ہسپتال میں سال ہا سال سے مریضوں کی خدمت سے بہرہ ور ہو رہا ہے اس لیے وہ مشکل میں پھنسے ہوئے بے بس نادار مریضوں اور بیماریوں کے ناگزیر تقاضوں کو اس سے بھی زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں جس قدر ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے محترم میاں برادران! اگر آپ اس خالص انسانی جان کے مسئلے کا کوئی حل نکال سکیں تو نکال لے۔

مذکورہ بالا ساری گزارشات ان شاء اللہ اس آیت کریمہ کا مصداق یقیناً ہوں گی:

﴿وَمِنْ أَحْيَاهَا فَكَانَ مِنْهَا حَيًّا النَّاسُ جَمِيعًا﴾ ”جس نے ایک جان کو زندہ کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا۔“

مولانا ارشاد الحق اثری علیہ السلام

ہیں۔ ان تاروں کا بہ طور احسان ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ [الأنعام: ٩٧]

”اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے، تاکہ تم ان کے ساتھ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راستہ معلوم کرو۔ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں جو جانتے ہیں۔“

جس طرح یہ ستارے جنگلوں اور صحراؤں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں اسی طرح ان کی جگہ گاہٹ اور خوب صورتی دلربائی کا باعث ہے۔ ان دونوں کا فائدہ چونکہ انسان سے وابستہ ہے اس لیے ستاروں کی زینت کا سامان آسمان دنیا میں ہے اوپر کے آسمانوں میں نہیں۔

سورۃ الملک (آیت: ۵)، فصلت (آیت: ۱۲) اور الحجر (آیت: ۱۶) میں بھی اسی زینت کا ذکر ہے۔

﴿وَحَفَظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ﴾ یہ ستاروں کا ایک اور فائدہ بیان ہوا ہے کہ ہم نے آسمان کو ہر سرکش شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔ زمین کی طرح آسمان پر آنے جانے کی کھلی چھٹی نہیں کہ جس کا جب جی چاہے اس پر پہنچ جائے۔ بلکہ جو یہ حماقت کرتا ہے اس کے سد باب کے لیے انھی ستاروں کے ذریعے ہم نے آسمان کو محفوظ کر دیا ہے۔ ﴿وَحَفَظًا﴾ فعل محذوف کی تاکید ہے گویا تقدیر کا کام یوں ہے: ”وَحَفَظْنٰهَا حَفَظًا“ اور ہم نے اسے محفوظ کیا ہے خوب اچھی طرح محفوظ کرنا۔ ستاروں کے اس فائدہ کا ذکر مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے:

13 رجب المرجب 1434ھ (724) 24 تا 30 مئی 2013ء



رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝

[الملک: ۵]

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں کے ساتھ زینت بخشی اور ہم نے انھیں شیطانوں کو مارنے کے آلے بنایا اور ہم نے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظَرِ ۝

وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ

السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ ۝﴾ [الحجر: ۱۶-۱۸]

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آسمان میں کئی برج بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا ہے۔ اور ہم نے اسے ہر مردود شیطان سے محفوظ کر دیا ہے۔ مگر جو سنی ہوئی بات چرا لے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔“

﴿مَّارِدٍ﴾ سرکش، شریر، جنوں اور انسانوں سے اس شیطان کو کہا

جاتا ہے جو ہر قسم کی خیر سے محروم ہو۔ یہ ”شجر امرد“ سے ماخوذ

ہے، یعنی وہ درخت جس کے پتے نہ ہوں۔ اسی سے ”رملۃ مرداء“

ہے، یعنی ریت کا ٹیلہ جس پر کوئی چیز نہ اگتی ہو۔ ”امرد“ اس لڑکے کو

کہتے ہیں جس کے ہنوز سبزہ نہ اگا ہو۔ (مفردات)

قرآن مجید میں ﴿شَیْطٰنٌ مَّارِدٍ﴾ اور ﴿شَیْطٰنٌ مَّرِیْدٌ﴾

دونوں طرح سے آیا ہے، یعنی سرکش، جس سے خیر کی کوئی امید نہیں

ہوتی۔ ان مردودوں اور سرکشوں سے آسمان کو محفوظ کر دیا ہے۔

﴿لَا یَسْمَعُونَ اِلٰی الْمَلٰٓئِکَۃِ الْاَعْلٰی﴾ یہ حفاظت آسمان کی

تفصیل ہے کہ وہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہیں لگا سکتے۔ ﴿لَا

یَسْمَعُونَ﴾، دراصل ”لا یستمعون“ ہے۔ ”تسمع“ باب

تفعل سے ہے تو ”س“ میں مدغم کر دیا گیا ہے، یعنی وہ کان نہیں لگا

سکتے۔ شیاطین سننے کی کوشش کرتے ہیں مگر جوں ہی وہ سننے کے لیے

کان لگاتے ہیں تو ہر جانب سے ان پر شہابِ ثاقب برستے ہیں۔ گویا

یہاں سماع کی نفی ہی نہیں بلکہ سننے کے لیے کان لگانے کی نفی ہے۔

﴿الْمَلٰٓئِکَۃِ الْاَعْلٰی﴾ ”الملاء“ اسم جمع ہے۔ اس کا اطلاق ایسی

جماعت پر ہوتا ہے جو کسی امر پر مجتمع ہو تو نظروں کو حسن و جمال اور نفوس

کو بہت و جلال سے بھر دے۔ (مفردات)

اور ”الاعلیٰ“ کے معنی ہیں سب سے اوپر، بلند اور اشراف۔ اس

سے فرشتے یا فرشتوں کے سردار مراد ہیں۔ یوں ”الملاء الاعلیٰ“

کے معنی ہیں اونچی مجلس، اوپر کی مجلس، یعنی فرشتوں کی جماعت یا

فرشتوں کی مجلس۔ انھیں جماعت اعلیٰ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ آسمان

پر ہیں۔ ان کے مقابلے میں ”الملاء الاسفل“ ہے، یعنی زمین پر

انسانوں یا جنوں کی جماعت۔

﴿لَا یَسْمَعُونَ﴾ کے بارے قرائے کرام کا اختلاف ہے چنانچہ

مدینہ طیبہ، بصرہ اور کوفہ کے بعض قراء نے اسے تخفیف سے ”لا

یسمعون“ پڑھا ہے۔ جمہور قراء کی یہی رائے ہے۔ (قرطبی)

گویا اس میں استماع کان لگانے کی نفی نہیں بلکہ سماع کی نفی ہے۔

امام ابن جریر نے اسی کو رائج قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابو عبیدہ وغیرہ

نے جو کہا ہے کہ عرب ”سمعت الیہ“ نہیں کہتے بلکہ ”تسمعت

الیہ“ کہتے ہیں۔ یہ درست نہیں عرب ”سمعت فلانا“،

”سمعت الی فلان“، ”سمعت من فلان یقول کذا“

کہتے ہیں۔ (ابن جریر: ۳۸/۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے کہ وہ اسے ”لا

یسمعون“ تخفیف سے پڑھتے تھے۔ فرماتے تھے وہ سننے کے لیے

کان لگاتے مگر کچھ سن نہیں پاتے تھے۔ (الدرر: ۲۵/۵)

علامہ قرطبی نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے۔ اس بارے میں جو احادیث

آئی ہیں ان سے بھی سماع کی نفی معلوم ہوتی ہے، چوری چھپے سننے یا

چھپ کر سننے کی نہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے

ہیں کہ انصاری صحابی نے مجھے بتلایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ

ایک رات بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اس کی روشنی پھیلی، تو آپ

ﷺ نے فرمایا: تم جاہلیت میں ستارہ ٹوٹنے کے بارے میں کیا کہا

کرتے تھے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، ہم کہا کرتے تھے آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے یا بڑا آدمی فوت ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ستارہ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے پر نہیں ٹوٹتا بلکہ ہمارے رب تبارک و تعالیٰ جب کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو حاملین عرش اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتے ہیں۔ پھر ان کے قریب والے آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تسبیح آسمان دنیا کے فرشتوں تک پہنچتی ہے۔ پھر جو حاملین عرش کے قریب والے فرشتے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ تو وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی خبر دیتے ہیں۔ پھر آسمانوں کے بعض فرشتے بعض کو یہ خبر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا تک پہنچتی ہے پھر جن چوری چھپے اسے لے اڑتے ہیں اور اسے اپنے (کاہن) ساتھیوں (کے کانوں) میں پھونک دیتے ہیں۔ پس اگر وہ اسی طرح خبر دیں تو وہ سچ ہوتی ہے مگر وہ اس میں جھوٹ کو ملاتے ہیں اور اپنی مرضی سے اضافہ کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۲۷۹، ترمذی وغیرہ)

یہی روایت معمولی اختلاف سے صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۴۷۰۱)

میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات کا آسمان سے فرشتوں کی باتوں کے سننے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بیان ہوا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جنوں نے کہا:

﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجدْنَا هَا مِلْمَتٌ حَرَسًا شَدِيدًا

وَشُهْبًا ۚ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدًا لِلسَّمْعِ فَمَن

يَسْمَعُ الْآنَ يَجِدُ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا﴾ [الحج: ۹، ۸]

”اور یہ کہ بے شک ہم نے آسمان کو ہاتھ لگایا تو ہم نے اسے

اس حال میں پایا کہ وہ سخت پہرے اور چمکدار شعلوں سے

بھردیا گیا ہے۔ اور یہ کہ بے شک ہم اس کی کئی جگہوں میں

سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے تو جواب کان لگاتا ہے وہ اپنے

لیے ایک چمکدار شعلہ گھات میں لگا ہوا پاتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ سوق عکاظ تشریف لے گئے، شیاطین اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی تھی اور ان پر آگ کے شعلے پھینکے جاتے تھے۔ شیاطین اپنی قوم کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی ہے اور ہمارے اوپر آگ کے شعلے پھینکے جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہوئی ہے تو کوئی حادثہ رونما ہوا ہے۔ زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور غور کرو کس بنا پر تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہوئی ہے۔ تو وہ نکل کھڑے ہوئے تہامہ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں نخلہ مقام پر سوق عکاظ جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے قرآن سنا تو انھوں نے اس کو سننے کے لیے کان لگائے، انھوں نے کہا اللہ کی قسم! یہ ہے وہ چیز جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ وہاں سے وہ اپنی قوم کے پاس واپس آئے اور انھیں کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز اپنے رب کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ (صحیح بخاری: ۷۷۳، مسلم وغیرہ)

ان احادیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جنات آسمان کے قریب ملا الاعلیٰ کی باتیں سننے کے لیے پہنچ جاتے تھے۔ بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آسمان پر اللہ تعالیٰ کسی معاملے کا فیصلہ فرماتے ہیں تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارتے ہیں جیسے زنجیر کو پتھر پر مارا جائے۔ جب فرشتوں کا کچھ خوف دور ہوتا ہے تو وہ (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں اس نے جو فرمایا ہے حق فرمایا ہے اور وہی سب سے بلند سب سے بڑا ہے۔ چوری چھپے سننے والے شیطان ان کی بات سن لیتے ہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے



محفوظ ہو گیا۔ بلکہ آپ ﷺ کی تکریم میں آپ کے بعد بھی ہمیشہ کے لیے پابندی لگا دی گئی۔ (قرطبی)

امام زہری سے بھی جب پوچھا گیا کہ قرآن مجید میں ہے:

”جو اب کان لگاتا ہے وہ اپنے لیے چمک دار شعلہ گھات میں لگا ہوا پاتا ہے۔“ (الجن: ۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے استراق سمع نہیں ہوتا تھا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے شیاطین سننے کی کوشش کرتے تھے ان پر شہابیہ پھینکے جاتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی آمد پر اس میں سختی کر دی گئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ جمع و توفیق اچھی ہے۔ سورۃ الجن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہابیہ پھینکے جاتے تھے کبھی وہ شیاطین کو لگتے کبھی نہیں لگتے تھے مگر بعثت کے بعد شہابیہ مستمر شیاطین کو لگنے لگے۔ ان کو یہاں ﴿شَهَابًا رَّصَدًا﴾ کہا گیا ہے۔ کیونکہ جو کسی چیز کے لیے گھات لگائے ہوئے ہو وہ خطا نہیں کھاتا۔ اس لیے اس آیت میں ہمیشہ لگنے کا بیان ہے آغاز کا ذکر نہیں۔ (فتح الباری: ۶۷۲/۸، ۶۷۳، حدیث: ۳۹۲۱)

بعض حضرات نے تو فرمایا ہے کہ سماع کی نفی وحی سے متعلق ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ﴾ [الشعراء: ۲۱۲]

”بلاشبہ وہ تو سننے ہی سے الگ کیے ہوئے ہیں۔“

نزول وحی کے وقت آگے پیچھے پہرا ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الجن (آیت: ۲۷) میں ہے، یعنی نزول وحی کے وقت کسی موقع پر بھی شیاطین کو سننے کا موقع نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں آس پاس چوری چھپے سننے کی نوبت آتی ہے۔ کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے بدگمان کرنے کے لیے جو حیلے اور حربے اختیار کیے ان میں ایک یہ تھا کہ آپ (معاذ اللہ) کا ہن ہیں ان کے اس الزام کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ شیاطین کو نزول وحی کے وقت سننے کا کوئی موقع میسر نہیں نہ ہی کوئی چوری چھپے بات اچک کر اپنے دوستوں تک پہنچا سکتا ہے جو یہ جسارت کرتا ہے اس پر شہاب ثاقب برستے ہیں۔

اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کشادہ کر کے ایک کو دوسری پر رکھ کر بتلایا کہ یہ بات اڑانے والے اس طرح اوپر تلے ہو کر وہاں جاتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آگ کا شعلہ بات اڑانے والے کو آ کر لگتا ہے قبل اس کے کہ وہ اپنے ساتھی کو بتلائے کہ اس نے کیا سنا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شعلہ اس تک نہیں پہنچتا اور وہ اپنے نیچے والے (شیطان) کو وہ بات پہنچا دیتا ہے۔ اس طرح وہ بات زمین پر پہنچا دیتے ہیں۔ سفیان نے کہا کہ وہ بات جادوگر کے منہ میں ڈالی جاتی ہے، وہ ایک بات میں سے سو باتیں جھوٹی (اپنی طرف سے ملا کر) بیان کرتا ہے۔ کوئی بات سچی نکلتی ہے تو لوگ کہتے ہیں دیکھو اس نے ہمیں فلاں دن خبر دی تھی کہ فلاں دن ایسا ہوگا اور ویسا ہی ہوا۔ اس کی بات سچی نکلی یہ وہ بات ہوتی ہے جو آسمان سے چرائی گئی ہوتی ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۸۰۱، ۴۸۱، وغیرہ)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنات آسمان سے بعض باتیں چوری چھپے چرا لیتے تھے۔ بلکہ جنات نے جو صبح کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تلاوت سنی اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمان کی خبریں سن لیتے تھے۔ مگر بعثت کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے پہلے بیان ہوا ہے۔ اس کے متعلق علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ بعثت سے پہلے جنات پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے تھے لیکن ہر جانب سے نہیں بعض جوانب سے اور اس صورت میں وہ چوری چھپے بات سن لیتے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد ہر طرف سے شہابیہ ان پر پھینکے جاتے تھے۔ اس کا اشارہ الصفت کی (آیت: ۸) میں ہے: ہر طرف سے ان پر شہاب پھینکے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی بعثت پر آسمان کی حفاظت بڑھادی گئی اور جو چوری چھپے سننے کی جسارت کرتا اس کے زمین پر پہنچنے اور اپنے شیطانوں کو ملنے سے پہلے اس پر آگ کے گولے پھینکے جاتے ہیں۔ یوں کہانت کا چور دروازہ بند ہو گیا اور نبوت و رسالت کا راستہ

مؤلف: أبو بكر ابن أبي شيبة

درس  
حديثتحفة الإخوان  
بترجمة  
كتاب الإيمان

ترجمة: أبو حمزة وعبد الحميد المري

٧٦- عن الحارث بن عميرة الزبيري قال: وقع الطاعون بالشام فقام معاذ بحمص فخطبهم، فقال: إن هذا الطاعون رحمة ربكم، ودعوة نبيكم ﷺ، وموت الصالحين قبلكم، اللهم اقسم لآل معاذ نصيبهم الأوفى منه، فلما نزل عن المنبر أتاه فقال: إن عبد الرحمن بن معاذ قد أصيب فقال: أنا لله وأنا إليه راجعون. ثم انطلق نحوه فلما رآه عبد الرحمن مقبلاً قال: يا أبة ﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ [البقرة: ١٤٧] قال: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرة: ١٤٧] قال: فمات آل معاذ إنسان إنسان، حتى كان معاذ آخرهم، فأصيب، فأتاه الحارث بن عميرة الزبيدي يعوده، قال: وغشي على معاذ غشية، فأفاق معاذ والحارث يبكي، فقال معاذ: ما يبكيك؟ فقال: أبكي على العلم الذي يدفن معك، فقال: إن كنت طالب العلم لا محالة فاطلبه من عبد الله بن مسعود، ومن عويمر أبي الدرداء، ومن سلمان الفارسي، وإياك وزلة العالم، فقلت: وكيف لي أصلحك الله أن أعرفها؟ قال: للحق نور يعرف به، قال: فمات معاذ رحمة الله عليه، وخرج الحارث يريد عبد

الله بن مسعود بالكوفة، فانتهى إلى بابه، فاذا على الباب نفر من أصحاب عبد الله بن مسعود يتحدثون، فجرى بينهم الحديث، حتى قالوا: يا شامي أمؤمن أنت؟ فقال: نعم، قال: فقالوا من أهل الجنة؟ قال: إن لي ذنوباً وما أدري ما يصنع الله فيها، ولو أعلم أنها غفرت لي لأبأتكم أني من أهل الجنة. قال: فبينما هم كذلك إذ خرج عليهم عبد الله، فقالوا ألا تعجب من أخينا هذا الشامي، يزعم أنه مؤمن، ولا يزعم أنه من أهل الجنة! فقال عبد الله: لو قلت إحداهما لأتبعتهما الأخرى، فقال الحارث: إنا لله وإنا إليه راجعون! صلى الله على معاذ، قال: ويحك ومن معاذ؟ قال: معاذ بن جبل، قال: وما ذاك؟ قال: قال: إياك وزلة العالم، فأحلف بالله أنها منك لزلة يا ابن مسعود! وما الإيمان إلا أنا نؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسوله، واليوم الآخر، والجنة، والنار، والبعث، والميزان، ولنا ذنوب ما ندري ما يصنع الله فيها، فلو أنا نعلم أنها غفرت لقلنا: إنا من أهل الجنة. قال: فقال عبد الله: صدقت والله، إن كانت مني لزلة، صدقت والله، إن كانت مني لزلة. ((

(ضعيف)

”حارث بن عمیرہ زبیری نے کہا کہ ملک شام میں طاعون (ایک وبائی بیماری) پھیل گئی، تو حضرت معاذ (بن جبل) رضی اللہ عنہ نے محض میں ساتھیوں کو خطاب کیا اور کہا: یہ طاعون تمہارے رب کی رحمت، تمہارے نبی ﷺ کی دعا اور تمہارے پہلے صالحین کی موت ہے۔ اے اللہ! آل معاذ کو اس سے پورا حصہ دے، جب منبر سے اترے تو ایک آنے والے نے اطلاع دی کہ عبدالرحمن بن معاذ طاعون میں مبتلا ہو گئے ہیں تو کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر عبدالرحمن کی طرف چل دیے جب عبدالرحمن نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو کہا کہ میرے ابا جان: ”حق تیرے رب کی طرف سے ہے اور آپ شک و شبہ میں نہ پڑنا۔“ تو حضرت معاذ نے فرمایا: کہ بیٹے تو ان شاء اللہ مجھے صابریں میں سے پائے گا۔“ حارث کہتے ہیں: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے گھر کا ایک ایک انسان (ان کے سامنے) فوت ہو گیا اور اخیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خود بھی بیمار ہو گئے۔ حالت مرض میں حارث ان کی عیادت کو گئے تو حضرت پر غشی طاری ہو گئی جب ہوش آیا تو حارث رو رہے تھے، تو پوچھا (حارث) کیوں رو رہا ہے؟ جواب دیا کہ میں اس علم پر رو رہا ہوں جو آپ کے ساتھ دفن ہو جائے گا۔ آپ نے کہا کہ اگر لازماً طلب گار علم ہے تو حضرات عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء، عویمیر، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے حاصل کر لینا اور عالم کی غلطی سے بچ کے رہنا۔ میں نے عرض کیا کہ ”اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے مجھے پتا کیسے چلے گا؟“ جواب دیا کہ ”حق اپنے نور سے پہچانا جاتا ہے۔“ پھر جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں (حارث) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ ان کے دروازے پر آیا تو آپ کے کچھ ساتھیوں کو دیکھا گفتگو کر رہے تھے حتیٰ کہ انہوں نے مجھ (حارث) سے کہا کہ اے شامی! کیا تو مؤمن ہے؟ کہا کہ ہاں۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو جنتی ہے؟ جواب دیا کہ میرے کچھ گناہ ہیں معلوم نہیں کہ اللہ

تعالیٰ ان کے بارے میں مجھ سے کیا سلوک کرتا ہے؟ اور اگر معلوم ہوتا کہ میرے گناہ بخش دیے گئے ہیں تو تمہیں بتاتا کہ میں جنتی ہوں۔ اسی دوران حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے، انہوں (ساتھیوں) نے کہا کہ اس شامی بھائی پر آپ کو تعجب نہیں ہوتا جو کہتا ہے کہ میں مؤمن ہوں اور یہ نہیں کہتا کہ میں جنتی ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان میں سے ایک بات کہوں تو دوسری بھی اس کے ساتھ کہوں۔ تو حارث نے کہا کہ ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ اللہ تعالیٰ معاذ پر رحم کرے۔ پوچھا: کون معاذ؟ جواب دیا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ کہا کہ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ انہوں نے عالم کی غلطی سے بچنے کا کہا تھا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اے ابن مسعود! یہ آپ کی غلطی ہے۔ ایمان تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، آخرت، جنت، دوزخ، مرنے کے بعد زندہ ہونے، میزان پر ایمان لائیں، اور ہمارے گناہ ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا سلوک کرتا ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ گناہ معاف کر دیے گئے ہیں تو ہم کہتے کہ ہم اہل جنت ہیں۔ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ تو نے سچ کہا کہ یہ یقیناً میری غلطی تھی۔ واللہ سچ کہا کہ یہ یقیناً میری غلطی تھی۔“

۷۷۔ قال أبو ذر: سألت رسول الله ﷺ: ما ذا ينجي العبد من النار؟ قال: الايمان بالله، قال: قلت: يا نبي الله إن مع الايمان عملا، قال: ترضخ مما رزقك الله، أو يرضخ مما رزقه الله. (اسنادہ ضعیف)

”حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ بندہ آگ (دوزخ) سے کیسے بچ سکتا ہے؟ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر۔ میں نے عرض کیا کہ ایمان کے ساتھ عمل بھی تو ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اللہ نے تجھے دیا ہے اس میں سے تھوڑا ساعطا کر۔ یا کہا جو اللہ نے اس کو رزق دیا ہے اس میں سے تھوڑا ساعطا کرے۔“

## مخصوص ایام میں تلاوت قرآن (عورتوں کے لیے)

مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عقیف رحمۃ اللہ علیہ

توفیق دینے والا ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ حیض اور نفاس والی عورت مناسک حج کے متعلق لکھی گئی کتابوں میں موجود دعائیں پڑھ سکتی ہے۔ بلکہ صحیح قول کے مطابق قرآن مجید بھی پڑھ سکتی ہے اس لیے کہ کوئی ایسی صحیح اور صریح نص موجود نہیں جو حیض اور نفاس والی عورت کو قرآن پڑھنے سے روک رہی ہو۔ صرف جنبی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت آتی ہے کہ حالت جنابت میں قرآن نہ پڑھے۔ حیض اور نفاس والی عورت کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت آتی ہے کہ حائضہ اور جنبی قرآن کا کوئی حصہ بھی نہ پڑھے لیکن یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ اسے اسماعیل بن عیاش نے حجازی راویوں سے روایت کیا ہے اور جب وہ حجازی راویوں سے روایت کرتے ہیں تو (محدثین کے نزدیک) ضعیف ہوتے ہیں۔ لہذا یہ ممانعت کے لیے حجت نہیں ہو سکتی، لیکن وہ قرآن کو چھوئے بغیر زبانی پڑھے گی۔ البتہ جنبی جب تک غسل نہ کر لے اس کے لیے قرآن مجید پڑھنا زبانی یا مصحف کی مدد سے جائز نہیں اور ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ جنبی کا وقت مختصر ہوتا ہے اس لیے کہ مباشرت سے فراغت کے بعد فوراً غسل کر سکتا ہے اور حیض کا معاملہ حائضہ کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے، ماہواری میں بھی کئی دن لگ جاتے ہیں، نفاس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس لیے ان دونوں کو قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ بھول نہ جائیں اور قرآن کی قرأت کی فضیلت اور احکام شریعت کو سمجھنے سے محروم نہ رہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے لیے ایسی کتابیں پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا جن میں قرآن وحدیث کی مخلوط

**سوال:** کیا حفظ القرآن کی طالبہ اپنے خاص ایام میں قرآن پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الحمد لله الذي الاحد الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد والصلوة والسلام الاتمان الاكملان على اشرف الانبياء محمد وعلى آله وصحبه الى يوم الدين ، وبعده!

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۲۰۰۴ء کو آپ کے سوال کے جواب میں مفتی عالم اسلام فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا جواز کا فتویٰ میری تائید کے لیے میرے پاس آیا تھا، مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ فتویٰ اپنی تائید کے ساتھ پیش کر دوں کیونکہ وہ مجھ سے بڑے عالم دین اور مفتی عالم اسلام ہیں۔

**جواب:** علمائے کرام کا صحیح قول یہ ہے کہ حیض، نفاس والی عورت کے لیے بغیر مصحف چھوئے قرآن پڑھنا جائز ہے، اس لیے کہ عدم جواز کی کوئی دلیل ثابت نہیں ہے، دونوں قسم کی عورتیں کسی پاک کپڑے کے ذریعہ قرآن پکڑ کر (یا پاکیزہ دستانے پہن کر) پڑھ سکتی ہیں، اسی طرح کاغذ پر لکھ کر ضرورت کے وقت اس کی مدد سے پڑھا جاسکتا ہے۔ البتہ جنبی قرآن نہیں پڑھے گا، یہاں تک کہ غسل کر لے اس لیے کہ صحیح حدیث عدم جواز پر دلالت کرتی ہے۔ حائضہ اور نفاس والی عورتوں کو جنبی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ ان کی مدت طویل ہوتی ہے لیکن جنبی تو جنابت کے سبب سے فارغ ہوتے ہی فوراً غسل کر سکتا ہے، اللہ ہی نیکی کی

دعائیں ہوتی ہیں۔ علمائے کرام کے دونوں اقوال میں یہی صائب اور صحیح ہے۔ (عبدالعزیز بن باز)

الجواب بعون اللہ الوہاب ومنہ الصدق والصواب۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بین الاقوامی اور شہرہ آفاق عالم نبیل اور مفتی جلیل الشیخ عبدالعزیز بن باز قدس سرہ کے فتویٰ کی تصدیق و تائید میں لکھتے ہوئے حیاء آتی ہے، ”چند نسبت مشتہرہ خاک را بعالم پاک“ میرے علم و تجربہ میں اور ان کے وسیع ترین علم و تجربہ میں اتنا بعد ہے جتنا زمین و آسمان میں فاصلہ ہے۔ تاہم سائل کا چونکہ اصرار ہے لہذا سائل کے اصرار کے پیش نظر چند تائیدی سطوریں لکھ رہا ہوں۔ جناب الشیخ رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ صحیح ہے اور ان کی یہ رائے بھی بالکل درست ہے۔

۱: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی ﷺ یذكر اللہ علی کل احيانه .

(صحیح مسلم: ۱/۱۶۲)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر حال (جنابہ) میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے، چونکہ قرآن کو بھی ذکر حکیم کہا گیا ہے لہذا اس کی تلاوت ہر حال میں جائز ہے اور اصل عدم تحریم ہے (اباحۃ اصلیہ ہے) پس حائضہ اور جنبی کو قرأت قرآن بھی منع نہیں۔“

۲: اسی طرح آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا جب وہ سفر حج کے دوران حائضہ ہوگئی تھیں:

فأقضى ما يقض الحاج غير ان لا تطوفی بالبيت . (صحیح بخاری: ۱/۴۳)

”بيت اللہ کے طواف کے سوا جو کام حاجی کرتے ہیں تو بھی کرتی جا۔“

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں طواف کے علاوہ حائضہ عورت کے لیے افعال حج جائز ہیں جن میں ذکر اذکار اور

تلاوت قرآن مجید وغیرہ بھی شامل ہے، لہذا جنبی اور حائضہ عورت کے لیے تلاوت قرآن مجید جائز ہے۔

۳: صحیح بخاری میں ہے:

لم یری ابن عباس بالقرأة للجنب بأسا وکان النبی ﷺ یذكر اللہ علی کل احيانه .

(صحیح بخاری: ۱/۴۲)

”حضرت ابن عباس جنبی کے لیے قرآن کی تلاوت جائز سمجھتے تھے اور بطور دلیل یہ حدیث پیش کرتے کہ رسول اللہ ﷺ ہر حال میں اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔“

۴: روى عن عائشہ رضی اللہ عنہا كانت تقرأ القرآن وهي حائض . (المجموع للنووی: ۲/۳۵۷)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حالت حیض میں قرأت کرتی تھیں۔“

۵: امام سعید بن مسیب اور حضرت عکرمہ جیسے اکابر تابعین کے نزدیک جنبی کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے۔ (شرح السنۃ: ۱/۲۶۰)

۶: وجوز مالک للحائض قراءة القرآن لان زمان حیضها قد يطول فتنسی القرآن .

(شرح السنۃ: ۱/۲۶۰)

”امام مالک کے نزدیک حیض میں مبتلا عورت کے لیے قرآن کی تلاوت جائز ہے کیونکہ حیض کبھی لمبا ہو جاتا ہے، اس لیے قرآن بھول جانے کا اندیشہ ہے۔“

حافظ ابن حجر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی تشریح میں رقم فرماتے ہیں:

لم یصح عند المصنف (الامام البخاری) شیء من الاحادیث الواردة فی ذلك (أی فی منع الجنب والحائض من القرآن) وان کان مجموع ذلك تقوم به الحجة عند غیره لكن اکثرها تقبل التأویل . (فتح الباری: ۱/۵۹)

(باقی صفحہ نمبر ۳۰ پر ملاحظہ کیجیے)



# اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

ام عبدنیب

نصرت اور رحمت، اس کی ربوبیت و برکت مخلوقات کے لیے جاری رہتی ہے، خصوصاً اس کے صالح بندوں کو۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا:

﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ [التوبة: ۱۱۹]

”بچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔“

جس طرح اس حکم سے یہ مراد نہیں کہ ہر وقت بچوں کے ساتھ ساتھ پھر و بلکہ یہ مراد ہے کہ ان کی ہی حمایت کرو اور انھی کی طرح سچائی کو اختیار کرو۔ اسی طرح اللہ کی معیت سے مراد اس کا اپنی صفات کے لحاظ سے ہر شخص یا ہر مخلوق کے ساتھ ہونا ہے۔ حمایت کے معنوں میں یہ معیت اس آدمی کو زیادہ حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا بہترین فرماں بردار بندہ ہے۔

☆ بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق کے قریب ہے پھر وہ عرش پر کیسے ہو سکتا ہے؟ جیسے کہ اس نے فرمایا:

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ﴾ [ق: ۱۶]

”اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔“

حالانکہ اس آیت سے مراد اختیار، قدرت، محافظت اور ربوبیت کے لحاظ سے قریب ہونا ہے۔

☆ بعض لوگوں نے درج ذیل آیت کی وجہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے قریب ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ

الدَّاعِ اِذَا دَعَا فَلْيَسْتَجِیْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ

لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

اس آیت سے بھی بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں

قرآن وحدیث کے گزشتہ دلائل سے یہ واضح پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور اس کے لیے آسمان کی طرف اشارہ کرنا بھی سنت سے ثابت ہے۔

اس کو آسمانوں پر کہنا بھی درست ہے۔

اس کو عرش عظیم کا رب کہنا بھی درست ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہونے کے باوجود سب کے حال سے باخبر ہے، وہ کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے، تمام اشیاء پر اس کا حکم چلتا ہے، وہ ہر ایک کی بات سنتا ہے، وہ ہر ایک چیز کو دیکھتا ہے، وہ ہر ایک کے ساتھ ہے، وہ ہر چیز پر گواہ ہے، وہ ہر ایک کے قریب ہے۔ عرض اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ساتھ کائنات کے ذرے ذرے کا مالک اور اس پر غالب ہے۔

بعض لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ عرش پر مستوی ہونے کے بعد یہ سب کیسے ممکن ہے۔ لہذا انھوں نے اس معاملے میں بہت سی ٹھوکریں بھی کھائیں اور ایسی باتیں کہہ دیں جو گمراہ لوگ اور فرقتی کہتے ہیں، مثلاً:

۱۔ کیا اللہ مکانی طور پر ہر ایک کے ساتھ ہے:

بعض مسلمانوں نے کہا کہ اللہ عرش پر مستوی نہیں بلکہ وہ ہر شخص کے ساتھ مکانی طور پر ہے۔ ان مسلمانوں نے اس آیت سے استدلال کیا:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ [الحديد: ۴]

”اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں تم ہوتے ہو۔“

حالانکہ اس معیت سے یہ مراد نہیں کہ وہ عرش کے استواء کی بجائے مکانی طور پر ہمارے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس کی حمایت اور حفاظت،



بلکہ وہ ہر شخص کے قریب ہے۔

حالانکہ اس آیت میں بھی مکانی لحاظ سے قریب ہونا مراد نہیں بلکہ دعا سننے، دعا قبول کرنے اور مدد کرنے کے لحاظ سے قریب ہونا مراد ہے۔

☆ بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ زمین و آسمان کی ہر چیز میں موجود ہے۔ انھوں نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمُوتِ وَفِي الْأَرْضِ﴾ [الأنعام: ۳]

”اور وہ اللہ زمین اور آسمانوں میں ہے۔“

لوگوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اندر موجود ہے۔ اس عقیدے کی خرابی یہ ہے کہ پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ ہر خبیث چیز کے بھی اندر ہے، مثلاً: کتا، سورا، بیت الخلاء وغیرہ۔

دراصل اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت یعنی حکم اور قدرت، علم اور خبر زمین و آسمان کی ہر ایک شے پر حاوی ہے۔

بعض نے اس آیت کے مفہوم کو سمجھنے میں دھوکا کھایا:

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولَّوْا فَجَهَّ وَجْهُهُ

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [البقرة: ۱۱۵]

”اور اللہ ہی کے لیے مشرق اور مغرب ہے، تم جدھر کو رخ

کرو گے ادھر اللہ ہی کا چہرہ ہے۔ بے شک اللہ وسعت والا

علم والا ہے۔“

اس آیت سے بھی یہی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، علم، قدرت وغیرہ تمام صفات ہر جگہ حاوی اور جاری ہیں۔ مراد یہ نہیں کہ وہ خود ہر جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔

☆ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ ہر چیز کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔

انھوں نے درج ذیل آیت کا یہ غلط مطلب کیا:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ [الحديد: ۳]

”وہی سب سے پہلا، وہی سب سے آخر، وہی ظاہر اور وہی

باطن ہے۔“

اس آیت سے دراصل یہ مراد ہے کہ سب سے پہلے وہی تھا جیسا کہ اس نے فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ [هود: ۷]

”اس نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا

عرش پانی پر تھا۔“

آخر سے مراد ہر چیز کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی اور زندہ

رہنے والا مراد ہے جیسے کہ اس نے خود فرمایا:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [الفصص: ۸۸]

”اس کے چہرے کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے۔“

ظاہر سے مراد غالب آنے والا ہے اور باطن سے مراد پوشیدہ جیسا

کہ خود اس نے فرمایا:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْآبْصَارَ﴾

[الأنعام: ۱۰۳]

”(مخلوق کی) نگاہیں اسے نہیں پاسکتیں جب کہ وہ (ہر ایک

کی) نگاہ کو پالیتا ہے۔“

☆ بعض لوگوں نے درج ذیل حدیث سے یہ استدلال کیا کہ بندہ

ریاضت کے ذریعے اللہ تعالیٰ میں حلول کر سکتا ہے یا اللہ تعالیٰ

بندے میں حلول کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل

پڑھتے پڑھتے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا

ہوں۔ پھر میں اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور میں اس

کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور میں اس کا ہاتھ ہوتا ہوں

جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا

ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے ضرور عطا کرتا

ہوں اور اگر وہ کسی چیز کے شر سے بچنے کے لیے مجھ سے پناہ طلب

کرے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۶۵۰۲)

اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ جب بندہ فرائض ادا کرنے کے

ساتھ ساتھ نوافل بھی صرف اس لیے ادا کرتا ہے کہ زیادہ دیر اپنے

خالق کے حضور میں حاضر اور سجدہ ریز رہے تو وہ بندہ اللہ کو پیارا لگنے لگتا

ہے۔ اللہ کی قربت اور اطاعت اس قدر اس میں رچ بس جاتی ہے کہ وہ آنکھ سے وہی دیکھتا ہے جسے دیکھنے کا اسے اللہ نے حکم دیا ہے۔ وہ حرام جگہ پر اپنی نظر ڈالتا ہی نہیں۔ وہ اپنے کان سے وہی بات سنتا ہے جسے سننے کا اللہ کی طرف سے اسے حکم ملا ہے وہ ایسی بات لغو یا حرام اپنے کان سے نہیں سنتا جس کی وجہ سے وہ اللہ کی قربت سے دور ہو جائے۔ وہ ہاتھ اور پاؤں سے صرف وہی کام کرتا ہے جو اس کے رب کو بھی پسند ہیں تاکہ حرام یا لغو کام کرنے کی وجہ سے اسے بارگاہِ صمدیت سے دھتکار نہ دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نوافل پڑھ کر قربت حاصل کرنے کی کوشش میں تو لگا رہے لیکن عملی طور پر اعضاء و جوارح سے حرام اور لغو کام کر کے راندہ درگاہ بھی بناتا ہے۔

لوگوں کا یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے اندر آ جاتا ہے یا اس میں حلول کر جاتا ہے اس کی نفی درج ذیل حدیث کر دیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ کہے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہو گیا تو تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا: اے رب العالمین میں تیری عیادت کیسے کر سکتا تھا؟ اللہ فرمائے گا: میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے ہاں پاتا۔ اے ابن آدم! تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ ابن آدم عرض کرے گا: اے میرے رب! تو رب العالمین ہے، میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے اسے کھانا نہ کھلایا اگر تو اسے کھانا کھلا دیتا تو اس کا ثواب مجھ سے حاصل کر لیتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا لیکن تو نے مجھے پانی نہ پلایا، ابن آدم عرض کرے گا: اے میرے رب! تو رب العالمین ہے، بھلا میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اسے پانی نہ پلایا، کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اس کا ثواب مجھ سے پالیتا۔ (مختصر صحیح مسلم للالبانی: ۱۴۶۵)

اس حدیث کا مفہوم ہم ہرگز یہ نہیں لے سکتے کہ نعوذ باللہ! اللہ بیمار بھی ہوتا ہے یا بھوکا، پیاسا اور تنگ بھی ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال پر

اجرو ثواب کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے یہ پیرایہ اختیار کیا ہے۔ نیز اس حدیث کی رو سے بندے کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اختیار، قدرت، علم، معیت وغیرہ کے حوالے سے تو ہر ایک کے ساتھ، ہر جگہ جانے اور مانے لیکن استوئی کے لحاظ سے اسے عرش پر مستوی ہی سمجھے۔

اگر اللہ تعالیٰ بندوں کی صورتوں کے اندر یا مخلوقات کے اندر خود آ جایا کرتا تو پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اس سے دیدار کی خواہش ظاہر کی تھی تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: لن ترانی ”تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔“ بلکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں تو تمہارے اندر ہوں مجھے دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

☆ بعض لوگوں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر اور ناظر ہے۔ انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا:

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [الحج: ۱۷]

”بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔“

شہید لفظ شہادت سے ہے جس کا مطلب ہے گواہی۔ گواہی دو طرح کی ہوتی ہے:

- ۱: کسی کام کو آنکھوں سے ہوتے ہوئے دیکھ کر گواہی دینا۔ اسے عینی شہادت اور گواہی دینے والے کو عینی گواہ کہتے ہیں۔
- ۲: دوسرے بغیر دیکھے یقین کامل یا دیگر گواہوں کے بل پر گواہی دینا جیسے مسلمان توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں جو عینی گواہی نہیں بلکہ بالغیب گواہی ہے لیکن توحید و رسالت کی یہ گواہی عینی گواہی سے کئی گنا زیادہ مطلوب و مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اس لیے ہر چیز پر گواہ ہے ہر چیز کا اس کو علم بھی ہے۔

☆ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کے منافی بعض ضعیف اور من گھڑت روایتیں بھی بیان کی ہیں لیکن ان کے ضعیف اور موضوع ہونے کی وجہ سے ان سے استدلال کرنا درست نہیں۔ وہ روایات یہ ہیں:

وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہی کائنات کا وجود ہے اور وہ فلاں فلاں چیز کے اندر موجود ہے۔

وحدت الشہود کا عقیدہ:

بعض صوفیاء نے کہا کہ انسان ریاضت، عبادت اور مجاہدہ کر کے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے ہر چیز ذات الہی کا حصہ نظر آنے لگتی ہے۔ اس کی نظر میں جمادات، حیوانات، انسان، نیک، بد، سب برابر ہو جاتے ہیں۔ صوفی کی نظر ہر چیز کے اندر اسی ایک کو دیکھتی ہے۔

اگر یہ بات اس طرح کہی جائے کہ دنیا کی ہر مخلوق کی ساخت، کارکردگی اور رنگ و روپ دیکھ کر دل بے اختیار اللہ کی قدرت و تخلیق کے کمال کی طرف چلا جاتا ہے اور اس ایک خالق کو یاد کرنے اور اس کی تعریف کرنے لگتا ہے تو یہی کائنات کی چیزوں میں غور و فکر کر کے نتیجہ حاصل کرنا مقصود اور عین اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔

لیکن جب وہ اس چیز کو خدا کہہ کر اسے چومنے چاٹنے لگتا ہے، اسے سجدہ کرنے لگتا ہے، اس کی تعظیم کرنے لگتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اسے اس چیز کے اندر خدا نظر آتا ہے، تو وحدت الشہود کا یہ عقیدہ ہندوؤں کے عقیدے کی طرح ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نے کہیں بھی اس عقیدے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اگر اللہ ہر چیز کے اندر ہوتا تو جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی خواہش ظاہر کی تھی تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا اور جب اللہ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو وہ بیست سے ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اگر اللہ ہر چیز میں ہوتا تو کوئی چیز بھی سلامت نہ رہتی وہ سب اس کی ہیبت سے ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔

بعض لوگوں نے یہ گمراہ کن عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی صورت میں زمین پر جلوہ گر ہوا۔ یہ شعر کسی ایسے ہی شاعر کا ہے۔

وہی جو مستوی تھا عرش پر خدا ہو کر  
وہ اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

۱: قلب المؤمن بیت الرب۔ ”مومن کا دل رب کا گھر ہے۔“

امام سخاوی، امام ابن تیمیہ اور ملا علی قاری نے کہا کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا:

”اولاد آدم کا دل رحمان کی دو انگلیوں میں ہے وہ جس طرف

چاہے اسے پھیر دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: ۲۶۵۳)

وحدت الوجود اور حلول کا عقیدہ:

ہندومت میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ ان کا خدا دیوتاؤں کی صورت میں بھی بدل کر زمین پر آتا ہے اور لوگوں کے درمیان رہتا اور کھاتا پیتا اور شادی وغیرہ کرتا ہے، اس کی اولاد بھی ہوتی ہے۔

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق امیشور (خدا) ہر چیز کے اندر سرایت کیے ہوئے ہے۔ مسلمانوں میں سے صوفیاء نے بھی یہی بات کہی اور اس عقیدے کو وحدت الوجود کا نام دیا۔

اس عقیدے کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ پوری کائنات کے اندر موجود ہے اور پوری کائنات اللہ کے اندر موجود ہے۔ وحدت الوجود کا یہ عقیدہ غلط ہے:

۱: ایسی کوئی اصطلاح قرآن حکیم اور احادیث میں نہیں ملتی لہذا عقیدے کے حوالے سے کوئی بھی ایسی اصطلاح جو قرآن وحدیث سے نہ ملتی ہو، نہ گھڑی جاسکتی ہے، نہ بیان کی جاسکتی ہے۔ اس سے عقیدہ بگڑ جاتا ہے۔

۲: اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ پوری کائنات کے اندر موجود ہے تو یہ شرک ہے۔ پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ہر گھٹیا، رذیل اور خبیث چیز کے اندر بھی موجود ہے۔ دلچسپ بات یہ کہ وحدت الوجود اور حلول کا عقیدہ اختیار کرنے والے صوفیوں اور درویشوں میں یہی خیال پایا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں سور اور شراب جیسی چیزوں کے اندر بھی نعوذ باللہ کو ماننے ہیں۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اللہ صرف اعلیٰ چیزوں کے اندر موجود ہے گھٹیا چیزوں کے اندر موجود نہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعلیٰ مخلوق اور گھٹیا مخلوق کا تعین کون کرے گا؟ کیا قرآن حکیم یا حدیث نے یہ

- رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کی ذات کا نور یا اللہ کی ذات کا حصہ نہیں ہیں بلکہ وہ محمد ابن عبد اللہ اور رسول اللہ ہیں۔
- اللہ کسی بھی مخلوق کے اندر حلول نہیں کرتا۔
- وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اصطلاح غیر اسلامی اور مشرکانہ ہے۔
- اللہ خود کیسا ہے؟ اس کا عرش کیسا ہے؟ اس نے اپنے ہاتھ وغیرہ کا ذکر کیا تو وہ کیسے ہیں؟ ان کے متعلق کوئی تصور کرنا یا شکل ذہن میں لانا جائز نہیں، وہ خیال سے ماوراء ہے۔
- اللہ کو کسی مخلوق کی کسی بھی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔
- اللہ تعالیٰ ویسا ہے جیسا اس نے خود اپنے متعلق بیان کیا۔ ایک مسلمان نہ اس سے کوئی کم بات کہہ سکتا ہے نہ اس سے زیادہ۔
- صحیح عقیدے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن وحدیث میں وارد الفاظ ہی بولے جائیں۔ اور ان کی اپنی طرف سے کوئی شکل، کیفیت وغیرہ بیان نہ کی جائے اور نہ ہی اپنی طرف سے ان کا معروف لفظی ترجمے کی بجائے کوئی اور ترجمہ کیا جائے۔ یہی راہ صواب ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن حکیم اور احادیث میں کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی مصطفیٰ کی صورت میں مدینہ میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر جگہ اپنا عبد (بندہ) اور اپنا رسول کہہ کر آپ کے مقام ومنصب کی وضاحت کی۔ اس سے ملتی جلتی بات یہودیوں نے بھی کہی کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ رب کریم نے ان کے اس مشرکانہ عقیدے کی بار بار تردید کی۔ لہذا رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا ہیں یا خدا ان کی شکل میں مدینہ میں آ گیا، بہت بڑی گمراہی اور شرک ہے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝﴾

[الاخلاص: ۱-۴]

”کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ ہی بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے جس میں انبیاء و اولیاء اور رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر چیز میں ہے یا انبیاء و اولیاء اور خود رسول اللہ ﷺ کی شکل میں (نعوذ باللہ) خدا خود ہے تو پھر ان مخلوقات کا اسے سجدہ کرنے کا کیا مطلب ہے یا اس کی کیا ضرورت ہے؟

خلاصۃ الکلام:

- اللہ تعالیٰ ایک ہے۔
- اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور عرش آسمانوں سے بھی اوپر ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے لیے آسمان کی طرف اشارہ کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔
- اللہ تعالیٰ ہر رات پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔
- کوئی بھی منفصل چیز اللہ تعالیٰ کی ذات کا حصہ نہیں بلکہ سب اس کی مخلوق ہیں۔

### معلومات داخلہ برائے سعودی یونیورسٹی

وہ حضرات جنہوں نے پچھلے پانچ سالوں میں ایف اے یا اس کے مساوی، یا کسی دینی مدرسے سے العالیۃ کی سند حاصل کی ہو اور ان کی عمر ۲۳ سال سے زائد نہ ہو، یا پچھلے پانچ سالوں میں بی اے کی سند حاصل کی ہو اور عمر ۳۰ سال سے زائد نہ ہو۔

رابطہ: پروفیسر ڈاکٹر رانا خالد مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی پی ایچ ڈی) سابق مترجم مولجہ شریفہ، مسجد نبوی، مدینہ منورہ

چیئر مین ادارہ اشاعت اسلام لاہور

رابطہ: 0306-4476055

## عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت

## تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

بیگم بلقیس عبدالوہاب

حضور ﷺ اللہ رب العزت کی طرف سے جو پیغام لائے وہ سراپا امن اور عدل اجتماعی ہے، اس کی سب سے بڑی دلیل لفظ اسلام اور ایمان ہے۔ یہ دونوں الفاظ امن و سلامتی سے ماخوذ ہیں اس لئے سلام اور سلامتی، ایمان اور امن لازم و ملزوم ہیں۔ حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی اوصاف حمیدہ، اخلاق کریمانہ اور احسان و مروت کا نہ کوئی احاطہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے کا کماحقہ حق ادا کر سکتا ہے۔ عدل اجتماعی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں عالم انسانیت کیلئے مینارہ نور ہے جس کی منور کرنوں سے روشنی حاصل کر کے ہم دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں مسلمانوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی کو فراموش کر دیا ہے جسکی بناء پر مسلمانوں میں افراتفری، بد امنی، دہشت گردی اور ظلم و فروع مل رہا ہے۔ امت مسلمہ عدل اجتماعی کی تعلیمات ﷺ کو سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اس طرح فروغ دے کہ رحمت دو عالم حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ اور حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ عدل و احسان عام بنی نوع انسان اور خاص کر مسلمانوں کے لیے راہ ہدایت قرار پائے۔ تمام مسلمان حضور ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو پر غور و فکر کریں۔ حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی سے اتحاد اسلام اور اتحاد انسانیت کے لئے آسانیاں پیدا ہوں اور انسانوں کی مشکلات حل ہوں۔ حضور ﷺ دنیا کی واحد شخصیت ہیں جن کی تعلیمات پر اتنی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کی گئی ہے اور آپ ﷺ کے ارشادات سینہ بہ سینہ ایک کے بعد دوسری نسل کو منتقل ہو رہے ہیں حضور ﷺ کی تعلیمات عدل و انصاف کا جتنا مواد ہمیں فراہم ہے اتنا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ،  
اما بعد!

محمد ﷺ اس دنیا میں نجات دہندہ بن کر تشریف لائے اور انسانیت کو تباہی و بربادی کے گڑھے سے نکال کر ایسا عادلانہ نظام زندگی عطا فرمایا جس کی بنیادیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، احترام انسانیت اور تمام انسانیت کے لئے عدل اجتماعی کے اصولوں اور حضور ﷺ کے عملی نمونوں پر قائم ہیں۔ حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی اور احسان کی بناء پر اسلام کو آفاقی مذہب قرار دیا گیا۔  
اسلام دین کامل:

جس دین کی ابتدا، حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی اس کی دعوت اللہ تعالیٰ کے ہر رسول اور نبی صلوات اللہ علیہم و سلمہ نے دی، یہاں تک کہ اس کی تکمیل سرور کائنات ختم الرسل حضرت محمد ﷺ پر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [المائدة: ۱۳]

”آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔ ہاں جو شخص بھوک میں لاچار ہو جائے بشرطیکہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو اللہ بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے۔“

فلاح و کامرانی حاصل ہوگی۔

اللہ رب العالمین انسان اور انسانی فطرت کا خالق ہے، وہی سب سے زیادہ انسانی فطرت اور مزاج انسانی کو سمجھتا ہے، اپنے بندوں کی بہتری کے لیے جو نظام انسانیت کو عطا ہوا وہ اسلام ایک امن پسند، عدل و انصاف والا دین ہے۔ عدل اجتماعی جس میں مادی اور روحانی اقدار کا حسین امتزاج موجود ہے جو عرب و عجم، مشرق و مغرب کے لئے عام اور رحمت و احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب کچھ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عدل کے ساتھ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی ہے۔

رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ محسن انسانیت، منس الضحیٰ، بدر الدجی، معلم اعظم ہیں جن کا لایا ہوا پیغام عدل اجتماعی ساری دنیا کے انسانوں کے لیے عام ہے، وہ ایک متوازن لائحہ عمل اور متوازن طریق زندگی ہے۔ حضور ﷺ کے اس پیغام عدل کی تمام دلیلیں قابل عمل اور روشن ہیں۔

حضور ﷺ کی تعلیمات عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت کی بنیاد توحید، صراط مستقیم ہیں۔ جن کا مقصد انسان کو ظلم سے بچانا اور عدل و انصاف کا عملی طور پر قیام ہے۔

ظلم و جبر سے مرکب نظاموں اور نظریوں کی ستائی ہوئی انسانیت جس عدل اجتماعی کی متلاشی ہے وہ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے آیا، اسلام عدل کی خاطر ہر فرد کے مفاد کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ اجتماعی بہبود سے صرف نظر کرتا ہے۔ اس طرح اسلام کا نظام عدل اجتماعی اس تصور پر قائم ہے جو دو انتہاؤں کے درمیان مینارہ نور بن کر ظلم و ستم کی ستائی ہوئی دکھی انسانیت کی تسلی و تسفی کا باعث بنتا ہے۔

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

[الحديد: ۲۵]

”ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور میزان عدل تاکہ لوگ انصاف پر

دنیا کے کسی ادب اور زبان میں کسی اور شخص کا دستیاب نہیں۔ ہر ضرورت مند اپنے دامن کی وسعت کے مطابق عدل اجتماعی کے تصور و اہمیت کی تجلّی کی چند کرنیں سمیٹ لیتا ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے پوری انسانیت کے لئے عدل و انصاف کے راہ عمل کو واضح اور روشن فرمادیا ہے بلکہ اپنی کاوشوں سے اپنے فرمودہ اقوال، اصول و قوانین کو انفرادی حیثیت میں اور اجتماعی صورت میں بھی جاری و نافذ فرما کر ان کے عملی طور پر ممکن العمل اور ہر طرح سے مفید ہونے کا ثبوت پیش فرمایا، حضور ﷺ کی شخصیت میں تمام صفات کاملہ بدرجہ اتم موجود ہیں حضور ﷺ کی شخصیت قیامت تک کے لیے نمونہ عمل ہے۔ حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ میں سچائی، حلم، صدق، محبت، شجاعت، تواضع، وفا اور عدل و انصاف جیسی تمام صفات جمع تھیں۔

حضور ﷺ اس حالت میں جوان ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جاہلیت کی بُری عادتوں سے اپنی حفاظت میں رکھا ہوا تھا۔ حضور ﷺ اپنی قوم میں اپنے عالی اخلاق، بہترین حسب و نسب سے زیادہ امانت دار اور حیاء دار کی حیثیت سے مشہور ہو گئے حضور ﷺ کو الامین کے لقب سے نوازا گیا۔ (السيرة النبوية لابن هشام)

آج نوع انسانی، بالخصوص امت محمدیہ ﷺ کا فرض ہے کہ وہ دین کو کمال و تمام بطور عدل اجتماعی اختیار کرے ہر شعبہ حیات میں خواہ اس کا تعلق ملکی سیاست سے ہو یا قومی اقتصادیات سے، معاشرت سے ہو یا انتظامیہ و عدلیہ سے، عدل اجتماعی کے تصور و اہمیت کے لیے نبی ﷺ سے راہنمائی حاصل کریں، اس کے لئے واضح حکم ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾

[البقرة: ۲۰۸]

”مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

یعنی صرف زبان سے اسلام قبول کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسلام کی پوری پیروی کرنے سے مطلوبہ نتائج پیدا ہوں گے اور



قائم رہیں۔“

میزان سے مراد انصاف ہے (یعنی عدل اجتماعی)۔ عدل (عربی زبان کا لفظ ہے) عربی زبان میں عدل کے لیے اعتدال، تعدیل، میزان، قسط، اقتصاد، توسط جیسے الفاظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے کہ دونوں میں تفاضل نہ ہو اسے عدل کہا جائے گا۔

دو مخالف انتہاؤں کے بالکل درمیان میں ہونا۔

(ابن العربی، ص ۱۱۶۰)

عدل حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا نام ہے یہ جور کی ضد ہے۔ (ابن منظور، لسان العرب: ۱۱/۳۳۰)

العدل، الحکم بالاستواء.

(معجم مقاییس اللغة لابن فارس: ۴/۲۴۶)

عدل برابر کے حکم کو کہتے ہیں۔

عدل آپس کے حقوق میں تسویہ و برابری، ظلم کو ترک کرنے اور ہر

حق دار کو اس کا حق پہنچانے کا نام ہے۔ (تفسیر نفی (مرارک التنزیل) دار احیاء الکتب، العربیہ، ج ۲، ص ۲۹۷)

عدل، اعتقاد، عمل اور خلق میں اعتدال اور میانہ روی کا نام ہے۔

(حسین محمد، کلمات القرآن، مکتبہ عبد الحمید مرزا، مکہ مکرمہ، ص ۲۲۹)

اعتدال کے فطری نمونے:

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساری چیزیں عدل، اعتدال اور تعدیل پر قائم ہیں۔ چاند، سورج، ستارے سب نظام عدل اجتماعی سے قائم ہیں۔ زمین کی گردش ایک سیکنڈ کے لئے بھی اگر راہ عدل سے ہٹ جائے تو کرہ ارض تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔ شمس و قمر اور نجوم و کواکب جس نظام کے تابع ہیں اس سے ذرا منحرف ہوں تو یہ نظام کائنات درہم برہم ہو جائے، بارش برسات کے موسم میں ہوتی ہے بیج موسم کے مطابق بویا جاتا ہے، فصل اپنے وقت پر اگتی ہے، پھر پک کر تیار ہوتی ہے۔ گویا یہ سارا نظام عدل پر مبنی ہے اور یہ نظام اتنا محکم ہے کہ اس میں بال برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔ جان دار مخلوقات میں انسان

کے سوا ہر ذی حیات سختی سے نظام عدل اجتماعی پر استوار ہے انسان انٹرنیٹ کی وجہ سے (رات کے وقت) آرام کے وقت کام اور کام کے وقت آرام کرتا ہے جبکہ پرندے شام ہوئی اور اپنے گھونسلوں میں آرام کرنے پہنچ گئے۔ صبح سویرے اپنے نشیمن سے باہر آئے اور تلاش رزق میں اڑ گئے نہایت سلامت روی یعنی عدل اجتماعی کے ساتھ اسی راستے پر گامزن ہیں جو فطرت نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

زندگی میں جہاں عدل اجتماعی کو برقرار رکھا جائے وہاں سکون و اطمینان اور خوشی ہوگی۔ اگر لفظ موزوں ہوں تو الفاظ سے خوبصورت فقرہ بن جاتا ہے اگر موزوں ترین ہوں تو دل میں اتر جاتے ہیں جس قوم کی سیاست، معاشرت اور معیشت کی بنیاد عدل و انصاف یعنی عدل اجتماعی پر ہوگی فطری طور پر وہ قوم دنیا کی سب سے خوش قسمت قوم ہوگی اور جس ملک میں عدل اجتماعی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں رائج ہوگا اس ملک کے باشندے خوف و غم سے آزاد اور ہر نعمت سے مالا مال ہوں گے۔

سیاسی نظام عدل اجتماعی:

دین اسلام کے سیاسی نظام کی اساس اور معیشت و معاشرت کی بنیاد عدل اجتماعی پر ہے۔ عدل و انصاف فکر و عمل کی وہ بنیاد ہے جو انسان کو ایک خدا ترس، پرہیزگار، ذمہ دار اور جواب دہی کے شعور کے ساتھ زندگی بسر کرنے والا سچا مسلمان بناتی ہے جب کہ قانون اور ضابطے انسانی عمل کو حدود میں لاتے ہیں لیکن قلب و نظر کی اصلاح نہیں کر سکتے۔

اگر کسی قوم میں عدل و انصاف نہیں ہے تو دنیا کا کوئی بھی قانون، شدید سے شدید ترین سزا، پولیس، فوج، سی آئی ڈی (C.I.D)، سی آئی اے (C.I.A) محکمہ انسداد رشوت ستانی (Anti Corruption) والا کوئی بھی محکمہ اصلاح احوال نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ کا ڈر اس کے سامنے حاضر ہونے کا تصور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہی انسان کو عدل و انصاف کی طرف راغب کر سکتا ہے ہمیں ماضی سے سبق حاصل کر کے عبرت پکڑنی چاہیے تاکہ مستقبل سنور جائے۔

زندگی کے ہر شعبہ میں بھلائیوں، نیکیوں، عدل و انصاف اور خیر کو رائج کیا جائے اور ہر شعبہ سے برائیوں، ظلم، استتصال اور محرومی و مایوسی کا خاتمہ کیا جائے، یہ عدل اجتماعی (Social Justice) ہے اور ایک اسلامی ریاست کا مطلوب و مقصود بھی ہے۔

### اسلام کا راہ عدل:

اسلام انسانیت کے لئے رحمت بن کر آیا ہے اسلام کا قانون عدل اجتماعی پر مبنی ہے اس میں اعتدال ہے یعنی نہ حد سے زیادہ سختی کہ انسانیت کا احترام ہی ختم ہو جائے، نہ بالکل نرمی کہ سزا محض مذاق بن کر رہ جائے، سب سے اچھی بات کہ اسلام کا قانون سب کے لئے یکساں ہے اس میں چھوٹے بڑے یا اپنے پرانے کی تمیز نہیں ہے۔ اسلام میں عدل اجتماعی کا مطلب تزکیہ، اخلاق، اصلاح نفس اور جرائم کی روک تھام ہے۔

دور حاضر میں جرائم کی تشہیر جرائم کو فروغ دے رہی ہے ٹی وی اور اخبارات کی شاہ سرخیوں سے معصوم بچے اور انجان افراد بھی جرائم کی راہیں اور واردات کے طریقے سیکھ لیتے ہیں۔

ایک شخص اگر فضول خرچ ہے تو بھی اور اگر بخیل ہے تو بھی راہ عدل سے ہٹا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے ناپسند فرماتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان: ۶۷]

”اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔“

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرنا تبذیر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ نہ کرنا بخیلی اور اللہ تعالیٰ کے احکام و اطاعت کے مطابق خرچ کرنا قوام ہے۔ اسی طرح نفقات واجبہ اور مباحات میں اعتدال سے تجاوز بھی اسراف ہے اس لئے وہاں بھی میانہ روی نہایت ضروری ہے۔ آج کے ترقی یافتہ زمانے میں جب جنگ چھڑتی ہے تو دشمن کے

ساتھ عدل کرنا گناہ سمجھا جاتا ہے لیکن ارشاد باری ہے!

﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ﴾

[الشوری: ۳۹]

”اور جو ایسے ہیں کہ جب اُن پر ظلم و زیادتی ہو تو مناسب طریقے سے بدلہ بھی لیتے ہیں۔“

گویا بدلہ لینا عدل اجتماعی ہے۔ قصاص (بدلہ لینے) کی اجازت ہے برائی کا بدلہ اگرچہ بظاہر برائی نہیں ہے لیکن مشابہت کی وجہ سے اسے بھی برائی ہی کہا گیا ہے۔ یعنی اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو لے سکتے ہو۔ لیکن اس کا لحاظ رہے کہ جس حد تک ظلم ہوا ہے اس سے زیادہ کے تم مجاز نہیں ہو جس نے تمہاری انگلی کاٹی ہے اسکی تم گردن نہیں کاٹ سکتے۔ اور یہ عدل اجتماعی کا تقاضا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾

[النحل: ۱۲۶]

”اور اگر تم اُن کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو اُن سے پہنچی۔“

غرض کہ بدلہ لینے کی اجازت عدل کے ساتھ ہے، زیادتی نہیں کر سکتے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ عدل و اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسراف (جائز کاموں پر ضرورت سے بڑھ کر خرچ کرنا) اور تبذیر (نا جائز کاموں پر مال و دولت لٹانا) عدل اور اعتدال کے منافی عمل ہیں، لہذا اسلام نے ان پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے:

﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾

[الشوری: ۴۰]

”اور برائی کا بدلہ تو برائی کی مثل ہے مگر جو درگزر کرے اور معاملے کو درست کر دے تو اُس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ یقیناً وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

قریب پھٹکنے نہ دو، تمہارے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دامن چاروں طرف تم پر پھیلا دیں گے۔

حضور ﷺ ظلم اور استبداد کے خلاف عادل بن کر دنیائے عالم میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے عدل اجتماعی کے ذریعے ظلم کی زنجیروں کو کاٹ ڈالا، ارشاد فرمایا:

الظلم ظلمات يوم القيامة .

(صحیح بخاری، ص: ۳۷۶)

”ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر آئے گا۔“

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَمِوتُ لَا غَدِيلَ بَيْنَكُمْ ۝﴾ [الشورى: ۱۵]

”اور مجھے حکم ہوا ہے، کہ تم میں انصاف کروں۔“

جب بھی تم اپنا کوئی معاملہ میرے پاس لاؤ گے تو اللہ کے احکام کے مطابق اس کا عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کروں گا۔

حضور ﷺ نے ایک شخص سے کھجوریں بطور قرض لیں، کچھ عرصہ بعد وہ کھجوریں واپس لینے آیا تو حضور ﷺ نے ایک انصاری سے اسے کھجوریں واپس کرنے کو کہا، چنانچہ انصاری نے کھجوریں واپس کر دیں، واپس کردہ کھجوریں اس قدر عمدہ نہ تھیں جیسی قرض لی گئی تھیں چنانچہ قرض خواہ نے انہیں واپس لینے سے انکار کر دیا۔ انصاری نے حیرت سے کہا تم رسول ﷺ سے وہ کھجوریں لینے سے انکار کر رہے ہو جو وہ تمہیں دے رہے ہیں؟ اس نے جواب میں کہا: ہاں! حضور ﷺ عدل نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔ جب اس کی بات حضور ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور فرمایا: ”وہ شخص سچ کہتا ہے۔“

خلافت راشدہ میں اس کی ایک بہترین مثال یہ ہے کہ ایک نو مسلم (مسیحی) حکمران جبلہ طواف کعبہ کر رہے تھے۔ ان کی چادر کا ایک کونہ دانستہ ایک اعرابی کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔

نو مسلم حکمران جبلہ نے (اپنی حکمرانی کے زعم میں) غریب اعرابی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ اعرابی نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس

اسلام دشمن کے ساتھ عدل اجتماعی اور احسان کا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دشمن نے جنگ میں جتنا ظلم کیا ہے اس کا اتنا ہی بدلہ لینے کا حکم ہے یا پھر معاف کر دیں تو یہ احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اعتدال یعنی میانہ راوی کا حکم بھی دیا ہے غلطی کس سے نہیں ہوتی جرم انسان ہی کرتا ہے اور عدالت سے اسے سزا بھی ملتی ہے اور سزا پانے کے بعد اس کے جرم کا دھبہ دھل جاتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ سزایافتہ شخص کو ہمیشہ کے لیے مطعون کرنے لگتے ہیں، یا اس کے ایمان پر شبہ کرنے لگتے ہیں حالانکہ یہ بات عدل و انصاف سے بعید ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں عبد اللہ نامی ایک شخص تھا۔ جس کا لقب ہمار گیا تھا۔ یہ کبھی کبھی حضور ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے شراب نوشی کی سزا میں کوڑے لگوائے تھے۔ اسے دوبارہ پھر اسی جرم میں پکڑ کر لایا گیا آپ ﷺ نے پھر اسے سزا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ! اس شخص پر لعنت کر، کہ بار بار اسی جرم (شراب نوشی) میں لایا جاتا ہے، یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا! جنتیہ اس پر لعنت نہ بھیجو۔ خدا کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ آدمی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری کتاب الحدود)

ابتدائے آفرینش انسانیت ہی سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی وساطت سے وقت کے تقاضوں کے مطابق انسان کی فلاح و بہبود کے لئے احکام نازل فرمائے، یہ ضابطہ حیات انسان کی فلاح و بہبود، اقتصادی، معاشرتی، سماجی اور عائلی زندگی کو کامیاب بنانے اور پر امن رکھنے کی ہدایات دیتا ہے۔

﴿وَإِنْ أَحْكَمَ بَيْنَهُمْ بِمَا أُنْزِلَ اللَّهُ ۝﴾ [المائدة: ۴۹]

”اور یہ کہ جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق اُن میں فیصلہ کر۔“

حاجت مندوں کی درشت مزاجی اور ان کے قوت بیان کی کمزوری کو صبر سے برداشت کرو، اور ان سے تنگ آ کر کج خلقی اور تکبر کو اپنے

کی شکایت کی اور فریاد خواہی کی، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جہلہ کو فرمایا کہ اعرابی کو راضی کر لویا قصاص میں تھپڑ کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ اور فرمایا:

الاسلام جعلك وایاه واحداً .

”اسلام نے تمہیں اور اسے ایک برابر بنایا ہے۔“

(شرعی سرائیں از مفتی عبدالقیوم، ص ۲۹، ۳۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

”لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔“

حضور ﷺ کا فرمان ہے: ”کسی عربی کو کسی غیر عرب پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے سب کے سب آدم کے بیٹے ہیں۔“ (صحیح بخاری و مسلم)

اسلام میں عدل اجتماعی کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اسے مملکت اسلامیہ کا اولین فرض قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا منصف اور عادل حاکم اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہونگے۔ (بخاری و مسلم)

عدل کرنے والے حاکم قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے یہ رحمن کے دہنی جانب قائم ہوں گے۔

عدل تمام امور میں توسط اور میانہ روی کا نام ہے، اعتقاداً بھی جیسے خدا کے انکار اور شرک کے درمیان توحید متوسط کا اقرار یعنی صرف ایک خدا کی شہادت، اور جبر و قدر کے عقائد کے مابین کسی متوسط کا اقرار، عملاً بھی جیسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب کئے جانے والے

فرائض کی میانہ روی کے ساتھ ادائیگی نہ تو مکمل روگردانی نہ اتنا غلو کہ رہبانیت کا آغاز ہو جائے اور خلقتاً بھی جیسے بخل و اسرف کے مابین جو روستخاوت کا راستہ۔ (بیضاوی، قاضی ناصر الدین ابوسعید بن عبداللہ بن عمر، تفسیر القرآن الکریم، مکتبہ جمہوریہ مصر، ص ۳۰۳)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔ کہ عدل افراط و تفریط کی دونوں جانبوں کے مابین میانہ روی کی رعایت رکھنے کو کہتے ہیں۔ (آلوسی: ۱۳/۲۱۷، عدل نحل: ۹۰، ان اللہ یامر بالعدل، اس کی تفسیر و تشریح)

عدل اجتماعی کا دائرہ کار:

ابن العربی نے عدل کے دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے ان تمام اقوال کا مفہوم جمع کر دیا ہے فرماتے ہیں:

عدل اجتماعی کا دائرہ بندہ و خدا، انسان اور اس کی ذات، انسان اور مخلوق خدا تک وسیع ہے بندہ و خدا کے مابین عدل یہ ہے کہ انسان خدا کے حق اور اس کی رضا کو اپنے حق اور اپنی پسند سے مقدم تصور کرے خدا کے ہر حکم پر عمل اور ہر نبی سے اجتناب کو اپنا مقصد زندگی سمجھے، انسان اور نفس کے مابین عدل یہ ہے کہ نفس کو مہلکات سے روکا جائے اور ﴿نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ قرآن مجید کے حکم کے تحت اللہ کی اتباع کے ذریعے نفس کو قناعت پسند بنائے اور انسان اور مخلوق خدا کے مابین عدل اجتماعی یہ ہے کہ انسانیت کی خیر خواہی اختیار کرے۔ خیانت سے اجتناب کرے دوسروں کے لئے اپنی طرف سے ہر اعتبار سے انصاف کی فراہمی کو لازم گردانے برائی سے ہر حالت میں بچے خواہ وہ سرّاً ہو یا جہراً مخلوق کی جانب سے پیش آنے والے مصائب کو برداشت کرے۔ (قرطبی، ابو عبداللہ محمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، ج: ۱۰/۱۶۶)

عدل اجتماعی کی حکمرانی سے کسی معاشرہ میں توازن، حسن، فلاح اور بہتری کے حصول کو ممکن بنایا جاسکتا ہے کیونکہ کائنات میں ہر جگہ عدل و قسط کی حکمرانی ہے اور جہاں عدل کو انسانوں کے ذریعے قائم کرنا مقصود ہے وہ انسانی سماج ہی ہے۔ قسط کا لفظ بھی عدل کا ہم معنی ہے۔

”اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔“

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ مِمَّا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ [ص: ۲۶]

”اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔“

داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ آپ داؤد علیہ السلام فیصلہ کریں تو قسط کے ساتھ فیصلہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مقسطین کو پسند فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے راست پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشغول نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔“ (المائدہ: ۸)

اکثر جھگڑے، شکر رنجیاں اور خرابیاں غیر محتاط اور غیر متوازن گفتگو سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔

مزید ارشاد ہے:

”اے ایمان والو! قسط کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بنو، اگرچہ وہ تمہارے خلاف ہی ہو یا ماں باپ کے اور رشتہ داروں کے، اگر وہ دولت مند ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ تو تم عدل کے معاملہ میں اپنی خواہش نفس کی پیروی نہ کرو، اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو اللہ تعالیٰ تمہارے کام سے واقف ہے۔“ (النساء: ۱۳۵)

اس میں توازن تناسب اور برابری کا مفہوم پایا جاتا ہے، عدل کی ضد ظلم اور جور ہے، اور لغت میں ظلم سے مراد کسی چیز کو بے موقع رکھنا ہے۔ وضع الشیء فی غیر موقعہ۔ قانون اور عدالت کے حوالہ سے اس کا مطلب ہے حق کے مطابق فیصلہ کرنا۔ القضاء بالحق، (سیرت النبی ﷺ، سلمان ندوی، ج ۶، ص ۳۹۷)

یعنی کسی شخص کے ساتھ بغیر کسی افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ مستحق ہے عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور متوازن ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے جب حق کی ادائیگی میں کمی یا تاخیر ہو جائے تو یہ بھی ظلم کی ایک قسم ہے۔

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کی ہے:

اللہ یقضی بالحق۔

اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرماً فلا تظالموا۔

”اے بندے میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے۔ لہذا تم آپس میں ظلم نہ کرو۔“

(اربعین نووی، ترجمہ و تشریح مولانا عاشق الہی، ص: ۱۲۴)

اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو! جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے ارشاد ربانی ہے! آپ ﷺ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں۔ اور بے گناہ یہودیوں کو مورد الزام ٹھہرانے والے کمزور عقیدے کے لوگوں کی باتوں کا اعتبار کر کے عدل کے راستہ سے ہٹ کر فیصلہ نہ کریں۔ (اسلامی سیاست، گوہر رحمان، ص ۳۶۸)

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾

[النساء: ۵۷]

## عدل و انصاف کے تقاضے:

عدل و انصاف کے دو بنیادی تقاضے ہیں:

۱: سچی گواہی

۲: حق و انصاف کی سر بلندی

سچی گواہی:

سچی گواہی کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، ہر ایک کو اس کا پورا حق ملے۔ ارشاد باری ہے!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلَىٰ ٱلَّآ تَعْدِلُوا ط ۚ إِنِ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ﴾

[المائدة: ۸]

”اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ انصاف ہی نہ کرو۔ انصاف کیا کرو یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔“

حق و انصاف کی سر بلندی:

معاشرہ کے استحکام اور حکومتوں کی بقاء کیلئے عدل و انصاف کا قیام انتہائی ضروری ہے، قرآن مجید عدل اجتماعی کے حصول کا ذریعہ ہے اور چاہتا ہے کہ عدل انسانیت میں رچ بس جائے تاکہ کوئی انسان دوسرے انسان کے ساتھ بے انصافی نہ کر سکے اور حق و انصاف کی سر بلندی ہو۔ دنیا میں امن قائم ہو جائے۔

عدل اجتماعی کے اصول:

☆ عدل اجتماعی کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل اجتماعی ہے۔

☆ فیصلہ ظلم و جور سے مبرا ہونا چاہیے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا قانون اور اسوہ نبوی ﷺ مشعل راہ ہوں۔

☆ قوانین و ضوابط کا نفاذ۔

☆ عدلیہ کا کردار اور انتخاب کسی شک و شبہ سے بالاتر ہو، یعنی ظاہر، باطن ایک جیسا کر لینا مقام عدل ہے۔

☆ قانون کے نفاذ میں کسی کی ناپسندیدگی کی پرواہ نہ کی جائے۔

☆ کسی شخص کے ذاتی اختیار (Discretion) پر عدل اجتماعی کی بنیاد نہ ہو۔

☆ سزا کی بنیاد شواہد (Evidence) پر ہو۔

☆ جرم اور سزا میں توازن ہو۔ افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کرنا بھی مقام عدل ہے۔

☆ انصاف فوری اور بروقت ہو ورنہ وہ اپنی افادیت کھودیتا ہے۔

☆ جرم کے معاونین بھی قابل مواخذہ ہوں۔

☆ عدل اجتماعی انتقامی نہ ہو، نزاعی معاملات میں انصاف کرنا عدل ہے۔

☆ عدل و انصاف کا عمل صاف و شفاف مسلسل (continuous) اور غیر جانبدارانہ (Impartial) ہو۔

☆ جب فیصلہ صادر کرنا ہو تو حقائق کی چھان بین پوری طرح کی جائے اور صرف مجرم کو سزا دی جائے۔

معاشی عدل:

☆ معاشی اور مالی اداروں کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنا۔

☆ روزگار کے یکساں مواقع فراہم کرنا۔ کسی شخص کی راہ میں حسب و نسب کوئی چیز اس کی سعی و جہد اس کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہو

عدل کا تقاضا ہے لوگوں میں یک گونہ معاشی تفاوت موجود رہے کچھ لوگ بیشک دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مالدار ہوں البتہ انسانی مساوات میں عدل اجتماعی ہو، تاکہ ترقی کے لئے سازگار ماحول رہے۔

☆ محنت اور سرمایہ میں عادلانہ توازن قائم رکھنا۔

☆ اجتماعی مصالح کے تحت ایسے اقدامات کرنا جن سے اسلامی معاشی اقدار کو فروغ حاصل ہو سکے۔

☆ معاشی عدل جو اسلامی تعلیمات کا امتیازی نشان ہے اسکی فراہمی دوطرفہ بنیادوں پر ہوتی ہے۔



یا غیر، دوست ہو یا دشمن ہر ایک کے لئے یکساں عدل ہونا چاہیے۔  
اگر دشمنوں کے لئے ایک قانون ہو اور دوستوں کے لئے دوسرا تو  
عدل کے عمل سے غیر جانبداری (Impartiality) اور معروضیت  
(Objectivity) کا عنصر غائب ہو جائے گا اور تعصبات اور ذاتی  
پسند و ناپسند کا عنصر شامل ہو جائے گا۔

عدل نہ صرف مسلمانوں کے حوالہ سے مطلوب ہے بلکہ عدل بین  
الناس (لوگوں کے درمیان) مسلم ہوں یا غیر مسلم مطلوب ہے۔ انبیاء  
و کتب بھیجے کا اصل مقصد عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے تاکہ اس کے  
ذریعہ احکام الہیہ اور عدل و انصاف کے احکام کی پابندی کروائی جا  
سکے۔ (معارف القرآن، جلد ۸)

دور جدید میں عدل اجتماعی کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے یہ  
بہت ضروری ہے کہ دلائل شرعیہ سے مکمل استفادہ کیا جائے اور انصاف  
کیلئے عدل اجتماعی کا اصول اپنایا جائے تاکہ (بین الملکی سطح) عالمی سطح  
پر اسلامی حکومتوں کے تعاون سے امت مسلمہ کے علماء اور دانشور، دور  
جدید میں شریعت کے قوانین کے مطابق عدل اجتماعی کو پوری دنیا میں  
اجاگر کر سکیں، شریعت کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے  
مملکت کے ہر فرد کو عدل اجتماعی کی مکمل طور پر ضمانت دی جاتی ہے اور  
بندے (باشندے) کی عزت و آبرو، جسم و جان، مال و جائیداد کے  
تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۚ  
وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا  
بَصِيرًا﴾ [النساء: ۵۸]

”اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے  
حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو  
انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ اللہ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا  
ہے۔ بیشک اللہ ستاد یکھتا ہے۔“

آیت کا سبب نزول اگرچہ خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے، اس

☆ اولاً افراد کو حصول روزگار کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں  
تاکہ فطری تقاضوں اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے ہر فرد  
کو انفرادی ملکیت کے فطری حقوق میسر آسکیں۔

☆ ثانیاً ہر فرد کو ان حدود و قیود کا پابند کیا جائے جو اسے دوسروں کا  
استحصال کرنے سے روک سکیں بلکہ ان حدود و قیود کا اطلاق ہر فرد  
خود رضا کارانہ طور پر اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کے تحت کرتا ہے اور  
اپنی جمع شدہ دولت پر کم از کم وہ لازمی زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے جو  
اسلام نے اس پر عائد کی ہے۔

عدل اجتماعی، دستور حیات:

اسلام عدل اجتماعی کے لیے ایک مکمل دستور حیات پیش کرتا ہے۔  
اسلام نے دیگر مذاہب کی طرح عقائد و اخلاق تک ہی اپنے آپ کو  
محدود نہیں رکھا بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ دین  
اسلام عدل اجتماعی اور دیگر اخلاقی تعلیمات کا سرچشمہ ہے دین اسلام  
کے علاوہ کئی اور الہامی مذہب یا غیر الہامی مذہب ہیں ان میں عدل  
اجتماعی کا اتنا جامع بیان نہیں پایا جاتا۔

فیصلہ کرتے وقت اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ اس کی زد میں  
کون آتا ہے، ہو سکتا ہے وہ ہم خود ہوں یا ہمارا کوئی رشتہ دار ہو، ماں  
باپ ہوں یا کوئی دولت مند ہو یا کوئی غریب ہو اگر عدل و انصاف کے  
معاملہ میں کہیں کوئی تعلق یا واسطہ آڑے آ گیا تو قانون کی بالادستی  
(Rule of Law) قائم نہیں رہے گی۔ عدل کی راہ میں جب تعلق  
واسطہ یا رشتہ داری آڑے آ جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم عدل کو  
چھوڑ کر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنے لگ گئے ہیں جب ہم کسی کے  
ساتھ بے جا خیر خواہی کے جذبہ کے تحت عدل کے معاملہ میں کوئی  
فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو ہمارا خیال ہوتا ہے کہ خیر کا کوئی پہلو نکل آئے  
گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کے لئے جو اصول و ضوابط عطا  
کیے ہیں وہ انسانوں کے لئے زیادہ فائدہ مند ہیں۔

عدل اجتماعی کا تقاضا یہ ہے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہوں،  
قانون کی خلاف ورزی کرنے والا خواہ امیر ہو یا غریب قرابت دار ہو

عدلیہ کے فرض منصبی کا بیان ہے اس لئے کہ بندوں کے حقوق کا تحفظ ان کی خصوصی ذمہ داری ہے اس آیت کریمہ میں انفرادی حقوق کی پاسداری بھی بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انفرادی حقوق کی ادائیگی دراصل عدل اجتماعی ہے اور اسی میں عدلیہ کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت عثمان بن طلحہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو خاندانی طور پر خانہ کعبہ کے دربان و کلید بردار چلے آ رہے تھے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جب حضور ﷺ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو طواف کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہؓ کو طلب فرمایا جو کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے انہیں خانہ کعبہ کی چابیاں دے کر فرمایا! یہ تمہاری چابیاں ہیں آج کا دن وفا اور نیکی کا دن ہے۔ (ابن کثیر) (جاری ہے)

کے مخاطب عوام اور حکام دونوں ہیں دونوں کیلئے تاکید ہے کہ امانتیں انہیں پہنچاؤ جو امانتوں کے اہل ہیں۔ اس میں وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی کے پاس رکھوائی ہوئی تھیں ان میں خیانت نہ کی جائے بلکہ بحفاظت عندالطلب لوٹا دی جائیں۔ اور دوسرا اس کا مطلب یہ ہے کہ عہدے اور مناصب اہل لوگوں کو دیئے جائیں۔ محض سیاسی، نسلی، وطنی، قرابت و خاندان کی بنیاد پر عہدہ و منصب دینا اس آیت کے خلاف ہے۔ اس میں حکام کو بطور خاص عدل اجتماعی کا حکم دیا گیا ہے۔ حاکم جب تک ظلم نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۸ میں شریعت کے تحت ارباب حکومت کو ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے اور آیت کے دوسرے حصہ میں

## مولانا حافظ عبدالجبار سلفی رحمہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

- ثالث۔ وفات ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء کراچی۔
- ۴: مولانا قاری عبدالحکم کرم الجلیلی رحمہ اللہ: جامعہ ستاریہ کے سابق شیخ الحدیث، صحیفہ اہل حدیث کے مدیر، صحیح بخاری کے مترجم اور شارح۔ وفات ۷ ستمبر ۱۹۹۴ء کراچی۔
- ۵: مولانا مفتی حافظ عبدالقہار سلفی: قرآن کے مفسر، حدیث کے مترجم و شارح، نہایت نیک، متقی اور تقویٰ شعار۔ وفات ۳۱ مئی ۲۰۰۶ء کراچی۔
- ۶: مولانا حافظ محمد یونس دہلوی: اہل حدیث کے بھی خواہ، مدرس، مصنف۔ وفات ۲۵ فروری ۱۹۹۵ء کراچی۔
- ۷: مولانا محمد عبداللہ محدث لائل پوری جہال والے: بانی ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد۔ وفات ۱۶ جولائی ۱۹۸۳ء مکہ مکرمہ۔
- ۸: میاں جی نذیر احمد: ۱۹۷۲ء میں ڈیرہ غازی خاں میں وفات پائی۔
- ۹: مولانا عبدالرحمن سلفی رحمہ اللہ: جماعت غرباء کے امیر۔
- ۱۰: مولانا تاج الدین صاحب۔
- ۱۱: مولوی عبدالقدوس صاحب۔
- دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب نے میٹرک تک سکول کی تعلیم بھی حاصل کی۔ دینی تعلیم کے دوران ان کے ہم سبق اور ہم درس ساتھیوں میں چند معروف نام یہ ہیں:
- ۱: مولانا محمد سلیمان جونا گڑھی رحمہ اللہ، مولانا حافظ امام عبدالرحمن سلفی رحمہ اللہ، مولانا عبدالعزیز نورستانی رحمہ اللہ، مولانا منیر احمد شاکر، مولانا محمد سرور شفیق، مولانا محمد حنیف سلفی کھرڑیا نوالہ، مولانا محمد ابراہیم کشمیری، مولانا محمد صالح سیالکوٹی، مولانا اسحاق شاہد صاحب۔
- مولانا عبدالجبار سلفی صاحب نے لڑکپن سے ہی جماعتی و دینی
- مولانا حافظ عبدالجبار سلفی رحمہ اللہ ۱۹۳۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔
- امام عبدالستار رحمہ اللہ کے بیٹوں میں ان کا نمبر تیسرا ہے۔ آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے آبائی مدرسے ”مدرسہ دارالکتب والسنة“ صدر بازار دہلی سے حاصل کی اور میاں جی نذیر احمد سے قرآن حفظ کیا۔ ان کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری تھا کہ متحدہ ہندوستان کی تقسیم ہوگئی اور آپ اپنے والد اور خاندان کے ہمراہ پاکستان آ گئے۔ کچھ عرصہ آپ جامعہ محمدیہ اوکاڑا میں زیر تعلیم رہے اور انھوں نے 12/1-R میں مولانا محمد عبداللہ شیخ الحدیث جہال والوں سے بھی اکتساب علم کیا۔ مولانا عبداللہ ان دنوں (۱۲ دن آر بلوچاں والا) اوکاڑا میں اقامت پذیر تھے۔
- اس کے بعد آپ واپس کراچی آ گئے۔ یہاں برنس روڈ پر محمدی مسجد اور مرکزی دارالامارت کا قیام عمل میں آچکا تھا اور درس و تدریس کا سلسلہ نئے عزم و ارادے سے شروع کیا جا چکا تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب نے درس نظامی کی مکمل تعلیم مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالسلام محمدی مسجد برنس روڈ میں رہ کر حاصل کی اور ۱۹۶۵ء میں امام عبدالستار رحمہ اللہ سے صحیح بخاری شریف پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔
- ان کے جلیل القدر اساتذہ کرام میں بڑے بڑے نامی علماء کے نام ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے:
- ۱: حضرت مولانا حافظ عبدالستار دہلوی: نامور مدرس، مصنف، مفسر قرآن، شارح حدیث۔ وفات ۲۹ اگست ۱۹۶۶ء کراچی۔
- ۲: مولانا عبدالجلیل خاں جھنگوی: صحیفہ اہل حدیث کے سابق مدیر، بلند پایہ مدرس اور مصنف۔ وفات ۶ جون ۱۹۷۶ء کراچی۔
- ۳: مولانا حافظ عبدالغفار سلفی: جماعت غرباء اہل حدیث کے امام

”فوائد ستاریہ قرآن مجید، فتاویٰ ستاریہ، امام عبدالستار رحمہ اللہ کی جملہ تصانیف، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے چھوٹے بڑے ۸۰ رسائل اور دیگر بیسیوں کتب شائع ہو چکی ہیں۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی جماعت و دینی خدمت ہے جو مکتبہ ایوبیہ کی طرف سے انجام دی گئی ہے۔ اب اس مکتبہ کے منتظم مولانا کے صاحبزادے ہمارے عزیز دوست جناب عبید اللہ سلفی صاحب ہیں۔

اس طرح چند سال پہلے جامعہ ستاریہ کراچی میں مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کی زیر نگرانی ”مکتبہ ستاریہ“ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے تاکہ جامعہ کے طلباء اس سے مستفید ہوں۔ مکتبہ ستاریہ پر مولانا کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ سلفی بیٹھے ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کو ”صحیفہ اہل حدیث“ کراچی کا منیجر اور منتظم بنا دیا گیا تھا۔ جبکہ ان دنوں آپ زیر تعلیم تھے۔ آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے ”صحیفہ اہل حدیث“ کے انتظامی امور کو خوب نبھایا اور مولانا قاری عبدالحکم کرم الجلیلی رحمہ اللہ (سابقہ مدیر صحیفہ اہل حدیث) کی مصاحبت میں ”صحیفہ اہل حدیث“ کی ترقی اور اشاعت میں بڑا اضافہ کیا۔ آپ جون ۱۹۹۳ء میں ”صحیفہ اہل حدیث“ کے نائب مدیر بنائے گئے۔ اور ۷ ستمبر ۱۹۹۴ء کو قاری عبدالحکم کرم الجلیلی صاحب کی وفات کے بعد نومبر ۱۹۹۴ء میں انھیں ”صحیفہ اہل حدیث“ کا مدیر مسئول بنادیا گیا۔ اس وقت سے آپ ”صحیفہ اہل حدیث“ کے لیے یہ ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ ان کے دور ادارت میں ”صحیفہ اہل حدیث“ نے صحافتی دنیا میں بڑا مقام حاصل کیا۔ اس کا ادارہ، مضامین، تبصرے، جماعتی خبریں ایک خاص اسلوب میں قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے اور معیاری کمپوزنگ، کاغذ، طباعت اور خوب صورت سرورق کے ساتھ اسے منصفہ شہود پر لایا جاتا۔ میرے نزدیک موجودہ دور میں ”صحیفہ اہل حدیث“ کی ظاہری و معنوی خوبیوں کا سہرا جہاں صحیفہ کے ایڈیٹر، منتظم اور اہل قلم کے سر ہے وہیں اس میں سب سے زیادہ حصہ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کا ہے کیونکہ وہی اسے ایڈٹ کرتے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو صحیفہ اہل حدیث

سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد جماعت اہل حدیث کے معروف قلم کار عظیم شاعر حضرت مولانا عبدالرحمان عاجز مالیر کوٹلوی رحمہ اللہ (وفات ۳ مارچ ۱۹۹۹ء فیصل آباد) چند سال کراچی میں قیام پذیر رہے تھے۔ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کے ان سے گہرے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ ان کے ساتھ مل کر جماعتی کانفرنسوں میں کتابوں کا اسٹال لگایا کرتے تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ان کے بڑے بھائی مولانا حافظ عبدالغفار سلفی رحمہ اللہ جو کہ ”بھائی جان“ کے نام سے معروف تھے، انھوں نے مکتبہ دینیات کے نام سے کتابوں کی نشر و اشاعت اور خرید و فروخت کا ادارہ قائم کیا جسے بعد میں انھوں نے مکتبہ شعیب کے نام سے موسوم کر دیا تھا۔ اس مکتبہ کی جانب سے کتب احادیث کے کئی اردو تراجم اور مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ (وفات ۱۹۶۱ء) کی شہرہ آفاق کتب و رسائل معروف بہ ”محمدیات“ کو بڑے خوب صورت انداز میں شائع کیا گیا تھا۔

مولانا عبدالغفار سلفی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی حافظ عبدالجبار سلفی کو اپنے مکتبہ کی تمام تر ذمہ داریاں سونپ دی تھیں۔ اس لیے مکتبہ کی طرف سے شائع ہونے والی کتابوں کی کتابت، اشاعت اور فروخت ان کے ذریعے ہوتی تھی۔ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب یہ سب امور نہایت خوش اسلوبی، ذوق و شوق اور ذمہ داری سے سرانجام دیتے تھے۔ پھر جب مولانا عبدالغفار سلفی صاحب کی جماعتی ذمہ داریاں بڑھ گئیں تو انھوں نے اپنا مکتبہ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کے سپرد کر دیا۔

چھوٹے بھائی نے ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ نئے عزم اور ارادے سے ”مکتبہ ایوبیہ“ کے نام سے دینی کتب کی اشاعت اور فروخت کا کام شروع کیا۔ دینی خدمت کے جذبے اور خلوص نیت سے قائم کردہ مولانا عبدالجبار سلفی صاحب کا مکتبہ اللہ کے فضل و کرم سے قائم و دائم ہے۔ اور اس مکتبہ نے دینی کتب کی اشاعت اور خالص مسلکی لٹریچر کے حوالے سے بے پناہ ملکی خدمت کی ہے۔ اس مکتبہ کی طرف سے

کے دروازے پوری طرح کھول رکھے تھے۔

مولانا عبد الجبار سلفی صاحب کی شادی شیخ الحدیث مولانا عبد الجلیل خاں المعروف مولوی جی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کی اولاد میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ چھوٹے بھائی کے بیٹوں کا تعارف یہ ہے:

۱: محمد ایوب: بھائیوں میں بڑے ہیں، کراچی میں رہتے ہیں۔ اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ صاحب اولاد ہیں۔ بڑے ہنس مکھ، ملنسار، مہمان نواز ہیں۔ کراچی جاؤں تو ان سے ملاقات سعادت سمجھتا ہوں۔

۲: عبد اللہ: کراچی میں رہتے ہیں۔ مکتبہ ستاریہ گلش اقبال کے مدیر ہیں۔ اچھے نیک نوجوان ہیں۔

۳: عبید اللہ سلفی: میرے نہایت پیارے دوست ہیں۔ ان سے دوستانہ مراسم نومبر ۱۹۹۲ء سے قائم ہیں۔ خوش اخلاق، خوش گفتار اور عالی کردار ہیں۔ ان سے خط کتابت بھی ہے، ٹیلی فونک رابطہ بھی اور میل ملاقات بھی۔ چھوٹے بڑے انھیں عبید بھائی کے نام سے پکارتے ہیں۔ آپ کراچی میں پیدا ہوئے۔ سکول کے بعد کالج کی تعلیم وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی سے حاصل کی، جب کہ ابتدائی دینی تعلیم مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالسلام محمدی مسجد ہنس روڈ سے حاصل کی۔ اور کمپیوٹر کی تعلیم جامعہ ستاریہ اسلامیہ کے شعبہ کمپیوٹر سے حاصل کی۔

۱۹۸۹ء سے موقر علمی رسالہ ”صحیفہ اہل حدیث“ کراچی کے منیجر اور اب منتظم ہیں۔ اس کے علاوہ دینی کتب اور قرآن مجید کے قدیمی ناشر ”مکتبہ ایوبیہ“ کراچی کے ناظم کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کے مشن اور دینی مساعی کو پورا کرنے میں حتی الامکان معروف عمل ہیں۔ آپ نے مدیر ”صحیفہ اہل حدیث“ مولانا قاری عبدالحکم کرم الجلیلی رحمہ اللہ کے سایہ شفقت میں رہ کر صحیفہ اہل حدیث کی ترقی اور ترویج کے لیے بڑا کام کیا ہے۔ اور آج بھی اس رسالے کو اچھے انداز اور خوب صورتی سے پیش کرنے میں اپنے

کی مسلسل اشاعت کا ۹۵ واں سال چل رہا ہے۔ اس اعتبار سے برصغیر پاک و ہند کا یہ سب سے قدیم رسالہ ہے۔ پھر کسی بھی اخبار کی ادارت سے منسلک رہنا یہ بھی ایک ریکارڈ ہے۔ مولانا عبد الجبار سلفی ۵۶ سال سے صحیفہ کی خدمت کر رہے ہیں۔

جامعہ ستاریہ اسلامیہ گلشن اقبال کراچی میں قائم جماعت ”غریب اہل حدیث“ کی عظیم علمی، عملی، تربیتی، تعلیمی اور تدریسی درس گاہ ہے۔ امام عبد الغفار سلفی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں جامعہ ستاریہ کے لیے جگہ خریدی تھی۔ لیکن وہ اپنی زندگی میں اس کی تعمیر نہ کر سکے اور وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد ۱۹۷۸ء میں جامعہ ستاریہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ حراسی امام کعبہ شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل نے رکھا تھا۔ اس کے بعد حضرت مولانا امام عبد الرحمن سلفی صاحب رحمہ اللہ کی نگرانی میں جامعہ ستاریہ کی تعمیر شروع ہوئی۔ جامعہ ستاریہ کی تعمیر میں مولانا عبد الجبار سلفی صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس زمانے میں ان کے پاس سکوتر ہوتا تھا۔ یہ کبھی خشیت اینٹوں کے حصول کے لیے بھٹے پر جاتے، کبھی سیمنٹ اور بجری لاتے، معماروں اور مزدوروں کا انتظام کرتے، یہ سب کام وہ نہایت مستعدی اور ذمہ داری سے بجالاتے۔

۱۹۸۴ء میں جب جامعہ ستاریہ کا کچھ تعمیری کام ہو گیا تو یہاں پڑھائی شروع ہوئی۔ اس موقع پر جماعت نے مولانا عبد الجبار سلفی صاحب کو جامعہ ستاریہ کا مدیر مقرر کیا۔ ۱۹۸۶ء میں احباب جماعت کے اصرار پر مولانا حافظ محمد سلفی صاحب مشرقی افریقہ سے پاکستان واپس آ گئے اور انھوں نے جامعہ ستاریہ کے مدیر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اور مولانا عبد الجبار سلفی صاحب جامعہ کے نائب مدیر کے طور پر خدمت انجام دیتے رہے۔

وہ نہایت معاملہ فہم، زیرک، سمجھ دار اور اعلیٰ پائے کے منتظم تھے۔ طلباء پر بڑی شفقت فرماتے اور ہر طرح سے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ بڑھاپے میں بھی جوانوں سے زیادہ باہمت اور اپنے کام میں مشاق تھے۔ بلاشبہ مولانا عبد الجبار سلفی صاحب نے جماعت کے لیے گراں قدر خدمت انجام دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے فضل و رحمت

رہے۔ آخر وہ وقت آ پہنچا کہ آپ ۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء کی صبح سوانو بجے اس دنیا فانی کو چھوڑ کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اسی روز نماز عصر کے بعد محمدی مسجد برنس روڈ میں ان کی نماز جنازہ ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا امام عبدالرحمن سلفی صاحب نے پڑھائی اس میں ہزاروں افراد شامل ہوئے۔ اور پھر شفیق پورہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا عبد الجبار سلفی صاحب کی دینی مساعی کے باعث انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کی حسنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آمین۔

والد مکرم محترم مولانا حافظ عبد الجبار سلفی صاحب مدیر مسئول ”صحیفہ اہل حدیث“ کی بھرپور معاونت کرتے۔ عبید بھائی کی دینی مساعی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

#### وفات:

مولانا عبد الجبار سلفی رحمہ اللہ کئی سال سے مختلف عوارض کے باعث صاحب فراش تھے۔ جامعہ ستاریہ جانا بھی بند ہو گیا تھا اور وہ گھر میں ہی رہتے تھے۔ ”صحیفہ اہل حدیث“ کے مضامین کی پروف ریڈنگ اور جامعہ ستاریہ کے انتظامی امور جیسی ذمہ داریوں کو آخر تک نبھاتے

## تنسیخ تزکیہ جات منجانب محمد یسین راہی

گزشتہ رمضان المبارک میں بعض حضرات کو مساجد و مدارس کے تعاون کے سلسلے میں تزکیہ جاری کیے تھے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بعض حضرات مسلسل چندہ وصول کر رہے ہیں اور میرے تزکیہ کو بہ طور تصدیق پیش کرتے ہیں۔ تمام احباب کو مطلع کیا کرتا ہوں کہ سابقہ تمام تزکیہ جات منسوخ کیے جاتے ہیں۔ مستحق اور ضرورت مند مدارس و مساجد کے لیے نئے تزکیہ جاری کیے جائیں گے۔ پرانے تزکیوں پر ہرگز تعاون نہ کیا جائے۔

#### فقط والسلام

محمد یسین راہی، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث، ضلع راجن پور، فون: 0333-8556473

### بقیہ: مخصوص ایام میں تلاوت قرآن

”لہذا وہ تمام احادیث جو جنبی اور حائضہ عورت کے لیے قرآن کی تلاوت و قرأت سے ممانعت پر دلالت کرتی ہیں وہ امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں۔ اگرچہ مجموعی طور پر دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہیں لیکن ان میں سے اکثر میں تاویل ہو سکتی ہے۔“ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مندرجہ عام دلائل کے مطابق جنبی حائضہ عورت، قرآن کو مس کیے بغیر زبانی پڑھ سکتی ہے، خصوصاً معلمہ اور مدرسہ عورت کے لیے بہر حال تلاوت جائز ہے ورنہ قرآن بھول جائے گی اور ترک تلاوت سے طالبات کا تعلیمی نقصان بھی ہوگا، پاک کپڑے کے ساتھ پکڑ لیں اور پاکیزہ دستاں پہن کر قرآن پکڑ لیں تو بھی جائز ہوگا۔

جواب ثانی: جب جنبی، حائضہ اور نفاس کے خون میں مبتلا بی بی قرآن مجید کو چھوئے بغیر اس کی تلاوت کر سکتی ہے تو وہ ایسی کتابوں کو بدرجہ اولیٰ پڑھ سکتی ہے جن میں قرآن و حدیث کی دعائیں مخلوط لکھی گئی ہیں۔ لہذا فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ کا جواز کا مذکورہ فتویٰ بالکل صحیح اور ان کی رائے پختہ ہے، اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب .



## عقیدہ توحید و رسالت

محمد سلیم چنیوٹی

۳

تکبیر میں ہم نے اقرار کر لیا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے مقابلے میں کوئی نہیں۔ اللہ ہی معبود، خالق و مالک، داتا و غوث، رازق و رب ہے۔ وہ سب سے بڑا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا کوئی ہم سر نہیں۔

نعرہ رسالت میں ہم نے اقرار کر لیا کہ محمد رسول اللہ ہیں۔ تا قیام قیامت نہ کسی نبی کی ضرورت ہے نہ کسی نئے رسول کی ہی ضرورت ہے۔ اب اس کلمے کے اقرار کا تقاضا ہے کہ ہم مشرکوں کے راستے کو چھوڑیں۔ ہم بدعتیوں کے طریقوں اور نئی نئی رسومات و بدعات سے خود بھی بچیں اور بچنے کی دوسرے بھائیوں کو دعوت بھی دیں۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جائے اور آپ کی اتباع کی طرف ہی لوگوں کو دعوت دی جائے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر بہت زیادہ ابھارا ہے۔ تقریباً تیس سے زائد جگہ پر آپ کی اتباع کا قرآن پاک میں حکم ہے۔ یوں بھی دعوت الی اللہ والی الرسول ہی سب سے بڑی دعوت ہے۔ دعوت توحید انبیائے کرام کی سنت ہے۔ اسی دعوت کو بزرگان سلف و صالحین نے دنیا تک پہنچایا۔ دعوت توحید کے بغیر پیش کی جانے والی ہر دعوت کو دنیا والوں نے بھی رد کیا اور اس کی قبولیت آسمان والے رب نے بھی نہیں فرمائی۔

سورہ نحل میں بیان فرمایا:

﴿وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ إِلَهُ

وَاحِدٌ فَإِنَّمَا تَعْبُدُونِ ۝﴾ [النحل: ۵۱]

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: دو خدا مت بناؤ، بس وہی ایک

کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

لا الہ الا اللہ میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت یعنی معبود حقیقی کو تسلیم کرنا ہے اور اس کے علاوہ سب معبودوں کا انکار کرنا ہے۔

کلمہ توحید کا دوسرا حصہ محمد رسول اللہ یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس میں تمام انبیاء و رسل کے آخر میں تشریف لانے والے محمد ﷺ کی نبوت و رسالت تا قیام قیامت بیان کر دی گئی ہے۔ اب تا ابد آنے والے سب لوگ لا الہ الا اللہ کے ساتھ جب تک محمد رسول اللہ نہیں کہیں گے اُس وقت تک وہ حقیقی مومن نہیں ہوں گے۔

جناب خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام زندگی توحید رب العالمین بیان کرنے میں گزاری۔ مکہ کے مشرکوں کو توحید رب العالمین کا درس دیا۔ انھیں مشہور تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش و بندگی کرنے سے منع ہی نہیں فرمایا بلکہ انھیں یعنی بتوں کو پاش پاش بھی فرمادیا۔

پھر آپ ﷺ نے اپنی ختم نبوت کا اعلان بھی فرمادیا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ

اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [الاحزاب: ۴۰]

”نہیں ہیں محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ اور لیکن آپ

اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے خاتم بھی۔“

اب دیکھیں کہ ہم مسلمانوں کا نعرہ توحید و تکبیر ”اللہ اکبر“ ہے۔

اور نعرہ رسالت اصل میں یہ ہے: ”محمد رسول اللہ۔“

یعنی نعرہ تکبیر ”اللہ اکبر“ اور نعرہ رسالت ”محمد رسول اللہ“ نعرہ

معبود ہے تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔“

افضل البشر جناب خاتم النبیین حضرت رسول کریم محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے فرمایا: اللہ نے رسول ﷺ کو حکماً فرمایا کہ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ﴾ [الکہف: ۱۱۰]

”(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ مجھ پر (اللہ کی طرف سے وحی آتی

ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک سچا معبود ہے۔“

پیغمبر ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ افضل البشر ہیں۔ تمام بنی آدم سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ آپ کی ذات سب لوگوں سے بلند و بالا ہے۔ مگر آپ بھی اتنا علم رکھتے ہیں جتنا اللہ کریم بذریعہ وحی عنایت فرماتے ہیں۔ علمائے تفسیر نے واشگاف الفاظ میں اس کی تفسیریں بیان فرمائی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت ہمیں بتا رہی ہے کہ نبی ﷺ کا علم محتاج ہے اللہ

کریم کی وحی کا۔ وحی آئے گی اور رسول اللہ ﷺ بیان فرمائیں گے۔ سورہ کہف کا ترجمہ و تفسیر ہمیں ضرور پڑھنی چاہیے۔ بلکہ سارا قرآن با ترجمہ پڑھنا چاہیے۔ پھر تفاسیر کے صفحات پر نظریں دوڑانی چاہئیں۔ اس سے آدمی فتنوں سے بچتا ہے۔ توحید و رسالت کا اصل علم حاصل ہوتا ہے۔ مارکیٹ میں اچھے اچھے ترجمے و تفاسیر میسر ہیں۔ ہم قرآن کو تو سادہ الفاظ میں تلاوت کرتے ہیں۔ مگر اس کا فہم و ترجمہ نہیں پڑھتے۔ الٹے سیدھے بیان کرنے والے واعظوں، خطیبوں اور ذاکروں کی تقاریر نے عوام الناس کے عقائد و نظریات کو بڑا الٹا سیدھا کر دیا ہے۔ اردو خواں حضرات ضرور بہ ضرورت ترجمہ والا قرآن پڑھیں اور تفسیریں ضرور نظروں سے گزاریں۔ ان شاء اللہ عقیدے بھی صحیح ہوں گے اور آدمی دینی و دنیوی فلاح بھی پائیں گے۔ اللہ کریم ہمیں توحید و رسالت کے صحیح عقیدے پر قائم و دائم رکھے اور راہ سنت پر با ایمان دنیا سے اٹھائے، آمین یا رب العالمین۔

## دس کتابیں مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور  
کی طرف سے اہم اعلان

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے درج ذیل دس کتابیں مفت زیر تقسیم ہیں:

- |                                 |   |                          |
|---------------------------------|---|--------------------------|
| ۱: طلاق قرآن و سنت کی روشنی میں | ۲: مسلک اہل حدیث پر ایک نظر                 | ۳: صراطِ مستقیم کی پہچان |
| ۴: کتاب الکبائر                 | ۵: مسائل رمضان المبارک                      | ۶: مسائل زکاۃ            |
| ۷: مسلمانوں کے شب و روز         | ۸: عقیدہ کی خرابیاں اور ان سے بچنے کے طریقے |                          |
| ۹: آداب نماز                    | ۱۰: حرزِ اعظم                               |                          |

خواہش مند حضرات مبلغ پچاس روپے کے ڈاک ٹکٹ برائے ڈاک خرچ بھیج کر مفت طلب فرمائیں۔ ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل سات اشتہارات کا معروف فورکٹر مدلل رنگین اور خوب صورت مکمل سیٹ منگوائیں اور فریم کروا کر مساجد میں آویزاں کریں۔ مسائل حقہ کی ترویج کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

نوٹ: فریم کروا کر آویزاں کرنے کا تحریری وعدہ آنا ضروری ہے۔ لٹرچر کی تقسیم پندرہ شعبان تک جاری رہے گی۔ ان شاء اللہ

(مولانا) محمد یونس راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ موبائل: 0333-8556473

## اعترافِ عجز

تیری تعریف لکھوں میں کیا اے خدا، میری ہستی ہے کیا میں تو کچھ بھی نہیں  
سرنگوں ہیں ترے در پہ ماہ وسہا، میری ہستی ہے کیا میں تو کچھ بھی نہیں  
ذرہ ذرہ سے ہے تیری قدرت عیاں، تیرے ایما پہ اے خالقِ دو جہاں  
روز و شبِ محوِ گردش ہیں ارض و سما، میری ہستی ہے کیا میں تو کچھ بھی نہیں  
ساری دنیا کو ہے تیرا ہی آسرا، تیرے محتاج ہیں بادشاہ و گدا  
تو ہے حاجت روا تو ہے مشکل کشا، میری ہستی ہے کیا میں تو کچھ بھی نہیں  
یہ بھی احسان ہے تیرا اے ذوالمنن، مجھ کو بخشی ہے تو نے جو تابِ سخن  
شکر کس مُنہ سے تیرا کروں میں ادا، میری ہستی ہے کیا میں تو کچھ بھی نہیں  
تیرے در کا ہوں میں ایک ادنیٰ گدا، مجھ کو سَوَ طرح سے نوازا گیا  
ورنہ مجھ کمترین کی حقیقت ہے کیا، میری ہستی ہے کیا میں تو کچھ بھی نہیں  
قلبِ تیری محبت سے آباد ہے اشک آنکھوں میں ہیں لب پہ فریاد ہے  
کہہ رہا ہے ترا راسخ بے نوا، میری ہستی ہے کیا میں تو کچھ بھی نہیں

(راسخِ عرفانی)